ناولٹ

جو کے برابر نیکی

سارہ ملک

ناولٹ

جو کرے برا برنیکی

سارہ ملک

مارکر کا ڈھکن بند کر کے اس نے سفید چارٹ پر ایک تنقیدی نگاہ ڈالی اور مطمئن ہو کر الماری سے پلاسٹک شیٹ نکال کر ٹیبل پر پھیلائی۔ ہاتھ سے شیٹ کی شکنیں دور کر کے اس نے چارٹ کے سائز کے مطابق کاٹا اور چارٹ کو صفائی سے کور کر کے کمرے کی مرکزی دیوار پر چسپاں کر دیا۔ یہ دیوار اس کے بیڈ کے عین سامنے تھی اور اٹھتے بیٹھتے ہر وقت اس دیوار پر موجود چارٹ پر نظر پڑتے رہنا یقینی امر تھا۔ وہ مڑ کر بیڈ پر بیٹھی
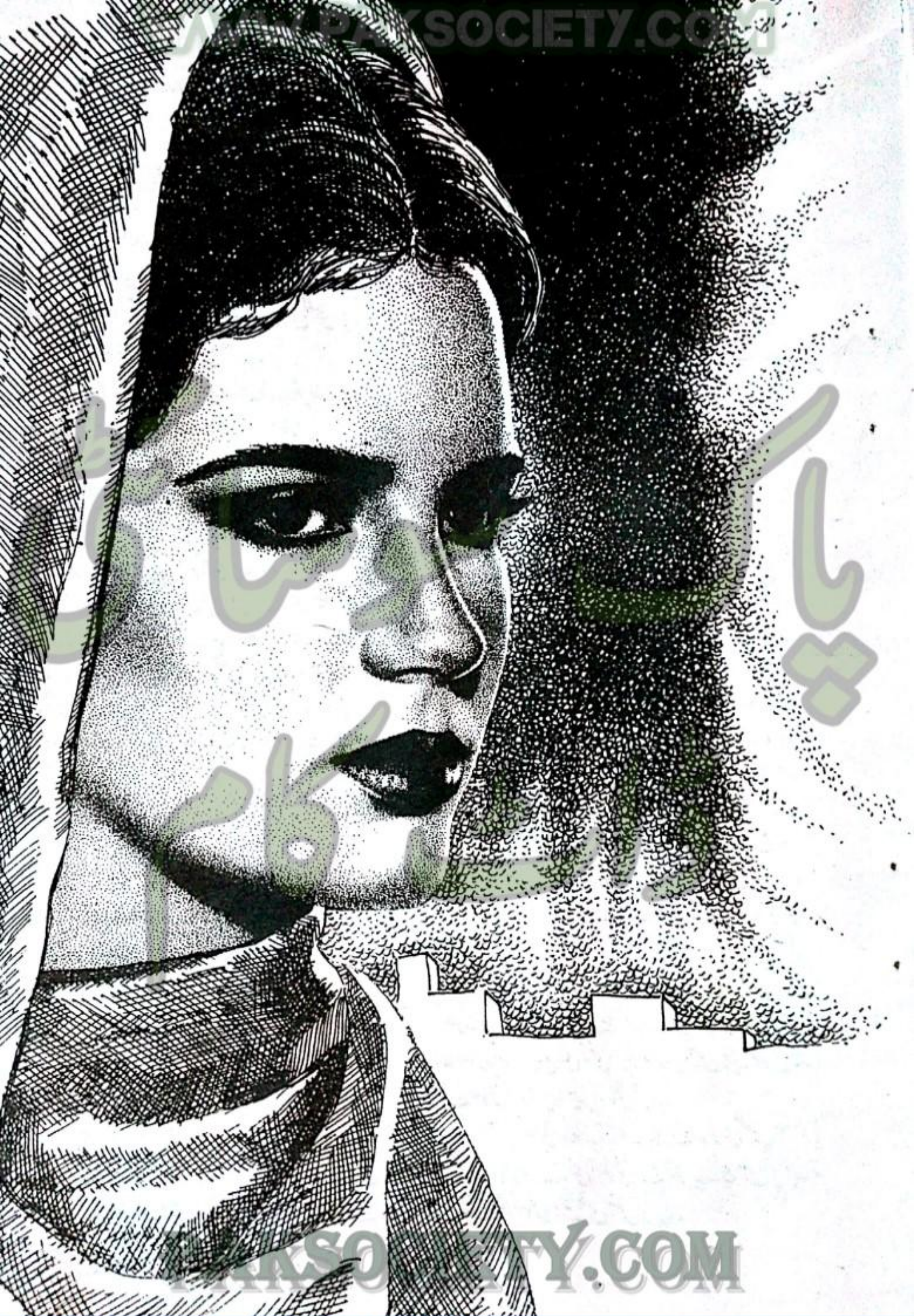
اور چارٹ پر موجود عبارات کو ناقدانہ نظروں سے دیکھا۔ موٹے مارکر سے اس نے جلی حروف میں ہیڈنگ دی تھی۔

''رمضان المبارک کا مہینہ کیسے گزاریں؟''

☆☆☆

سحری کا الارم بجا تو وہ آہستگی سے بیڈ سے اتری۔ مرتضیٰ گہری نیند میں تھے۔ کمرے میں جلتے نائٹ بلب کی روشنی میں موٹے حروف میں لکھی چارٹ کی عبارات کافی حد تک واضح تھیں۔

''صبح آنکھ کھلتے ہی تین مرتبہ درود شریف پڑھیں اور اپنی ہتھیلیوں پر پھونک مار کر ہتھیلیاں چہرے پر پھیرلیں۔'' یہ عمل کرکے وہ وضو کی نیت سے واش روم میں چلی گئی۔ وضو کرکے نکلی تو اگلا عمل تہجد کی ادائیگی کا تھا۔ اس نے جائے نماز بچھا کر مرتضیٰ کو تہجد... کے لیے جگایا اور نیت باندھ لی۔ آج پہلا روزہ تھا اور رمضان کے آسان اور مختصر اعمال اس نے کسی میگزین میں پڑھے تھے سو وہیں سے چارٹ پر اتار لیے تاکہ... بہ آسانی اور باقاعدگی سے عمل کرسکے۔ کچھ اعمال اور تسبیحات اس نے خود شامل کرلی تھیں۔ وہ چاہتی تھی دن کا کوئی حصہ بھی عبادت سے خالی نہ جائے۔ تہجد ادا کرکے اس نے جانماز بچھی رہنے دی کیونکہ مرتضیٰ وضو کرکے نکل آئے تھے۔ کمرے سے نکل کر اس نے کچن کا رخ کیا۔ اس کی ساس عاصمہ بیگم پراٹھوں کے پیڑے بنارہی تھیں اور دوسرے برنر پر چائے رکھی تھی۔ سر پر لپٹا دوپٹا بتارہا تھا کہ وہ بھی تہجد ادا کرچکی ہیں۔ وہ انہیں سلام کرکے ٹرے میں برتن سیٹ کرنے لگی۔

''مرتضیٰ اٹھ گیا؟''

''جی امی، تہجد پڑھ رہے ہیں۔'' عاصمہ بیگم نے دھیرے سے سر ہلایا اور بیٹی کو آواز لگائی۔

''سلوئی اٹھ جاؤ بیٹا۔''

دیا ٹرے لے کر لاؤنج میں موجود ڈائننگ ٹیبل تک آئی تو دیکھا سلوئی کے کمرے کی لائٹ آن تھی۔ وہ چائے کے مگ اور پلیٹیں وغیرہ ٹیبل پر سیٹ کرکے خالی ٹرے لیے واپس پلٹی تب سلوئی ڈھیلی ڈھالی چال چلتی کمرے سے نکلی۔ چہرہ اور اطراف میں بکھری لٹیں نم تھیں۔ دیا اسے دیکھ کر مسکرائی اور کچن میں جاکر چائے تھرماس میں انڈیلنے لگی۔ عاصمہ بیگم اب پراٹھے تلنا شروع ہوچکی تھیں۔ سلوئی نے تکلفاً کچن میں جھانکا اور واپس لاؤنج میں جاکر کونے میں پڑے صوفہ کم بیڈ پر لڑھک گئی۔ دیا زیرِلب مسکرائی اور انڈے فرائی کرنے شروع کردیے۔ اس کے لب مسلسل حرکت میں تھے۔ وہ پہلے عشرۂ رحمت کی دعا کا ورد کررہی تھی۔ اپنے اور سلوئی کے لیے انڈے فرائی کرکے اس نے چکن کا سالن برنر پر رکھا اور انڈوں کی پلیٹیں لیے میز تک پہنچی تو مرتضیٰ بھی آگئے۔ مرتضیٰ سحری میں کوئی سا سالن لیتے تھے، عاصمہ بیگم صرف چائے کے ساتھ پراٹھا لیتی تھیں جبکہ دیا اور سلوئی دونوں پراٹھے کے ساتھ انڈا لیتی تھیں۔ اس نے پانی کا جگ اور گلاس میز پر رکھے تو عاصمہ بیگم پراٹھے اور سالن لیے چلی آئیں۔ پہلی، پہلی سحری خوشگوار ماحول میں کھائی گئی۔ سحری مکمل کرتے ہی دیا برتن سمیٹنے لگی۔ سلوئی نے ماں کو دوائیں لاکے دیں۔ وہ بلڈ پریشر کی مریضہ تھیں ساتھ کچھ طاقت کی دوائیں ... بھی لیا کرتی تھیں۔ مرتضیٰ سے باتیں کرتے وہ دوائیں لینے لگیں۔ عاصمہ بیگم نے گھر کا اصول بنا رکھا تھا کہ سحری مقررہ وقت سے پندرہ منٹ پہلے ختم کرلی جائے تاکہ یہ اندیشہ نہ ہو کہ اِدھر اذانیں شروع اور اُدھر منہ میں پانی کا آخری گھونٹ۔ اس اصول کا فائدہ یہ ہوتا تھا کہ اذانیں ہونے تک دیا برتن دھو کر کچن بھی صاف کرلیا کرتی تھی۔ سو آج بھی یہی ہوا۔ اذان مکمل ہوتے ہی مرتضیٰ مسجد کے لیے نکل گئے اور دیا کچن سمیٹ کر بند کرکے اپنے کمرے کی طرف چل دی۔ عاصمہ بیگم کرسی پر ہی بیٹھی تسبیح کررہی تھیں جبکہ سلوئی پھر سے صوفہ کم بیڈ پر ڈھیر ہوچکی تھی۔

''یہ بھابی صاحبہ کیا منہ ہلائے جارہی تھیں؟'' دیا کے کمرا بند کرتے ہی سلوئی نے طنزیہ لہجے میں پوچھا تو عاصمہ بیگم استہزائیہ ہنسی ہنس دیں۔

''ڈھکوسلے۔'' انہوں نے صرف سوچا کیونکہ تسبیح پر جو دعا پڑھ رہی تھیں وہ ادھوری تھی۔ مکمل کر کے دانہ گرایا اور ہاتھ روک کر ایک محتاط نظر دیا کے کمرے کے دروازے پر ڈالی پھر آہستگی سے بولیں۔

''رمضان ہے بھئی، اب تو خوب عبادتیں، خوب تسبیحات ہوں گی، لوگ بڑے نیک ہو جائیں گے۔'' کہہ کر وہ پھر سے تسبیح کرنے لگیں۔

''ہم سے تو نہیں ہوتے یہ ڈرامے۔ بھائی کو امپریس کرنے کے ناٹک ہیں سارے۔ بڑی توجہ سے جائزہ لے رہے تھے بھائی کہ جی کتنی عبادت گزار بیگم ہیں ان کی۔'' سلویٰ اپنے خوب صورت چہرے پر مزید بیزاری سجا کر بولی۔

''ارے یہ کیا اور ان کی عبادتیں کیا۔ باسی کڑھی کا ابال...... جو صرف رمضان میں چڑھتا ہے باقی کا سال موج مستی، شاپنگ اور آؤٹنگ۔ بس رمضان میں سارا دن ہونٹ ہلا کر سمجھیں کہ سارے سال کے گناہ پیشگی معاف اور سارے سال کی عبادتوں کا حق ادا۔'' عاصمہ بیگم دانہ گرا کر پرجوش سے بولیں۔ پھر سے دعا پڑھتے تسبیح کا ایک اور دانہ گراتے وہ سلویٰ کی طرف مڑیں۔

''اور اب تم بھی اٹھو، وضو کر کے نماز پڑھو، قرآن پاک تلاوت کرو، دیکھو ہم اپنی باتوں میں لگے ہیں اور وہ پاک بی بی نماز ادا کر چکیں اور اب غالباً تلاوت کی آواز آ رہی ہے۔'' سلویٰ نے چونک کر دیا کے کمرے کی جانب دیکھا۔ دبے پاؤں اس کے دروازے تک گئی پھر ماں کی طرف دیکھ کر اثبات میں سر ہلایا اور وضو کرنے چل دی۔ عاصمہ بیگم نے بھی تسبیح میں نشانی لگا کر کیل پر ٹانگی اور جائے نماز اٹھالی۔ عبادت وغیبت کا حسین امتزاج اور بھلا کہاں ملے گا۔ جو فرشتوں کو بھی پریشان کر دے کہ تسبیح و عبادت کا اجر لکھیں یا غیبت و بدگمانی کی وعید۔

☆☆☆

روزے کی نیت کر کے دیا نے چارٹ کے مطابق اکیس مرتبہ یا مالکُ پڑھ کر سینے پر پھونک ماری اور جائے نماز...... بچھا کر فجر کی نیت کر لی۔ لاؤنج سے باتوں کی ہلکی، ہلکی آوازیں آ رہی تھیں اور نوعیت بتاتی تھی کہ موضوع گفتگو اسی کی ذات ہے۔ سلام پھیر کر اس نے دعا مانگی اور جائے نماز لپیٹ کر اٹھ گئی۔ دروازے کے قریب رکھے ریک میں جائے نماز رکھتے ہوئے اس نے واضح سن گن لینے کی کوشش کی لیکن ناکام رہی پھر تاسف سے سر ہلاتی ہوئی پلٹی اور کمرے کے کارنر میں نصب خاص طور پر قرآن پاک کے لیے بنائے گئے اونچے سے تکون شیلف سے قرآن پاک اٹھا کر چوما اور بیڈ پر بیٹھ کر تلاوت کرنے لگی۔ اس اثنا میں باہر خاموشی چھا گئی۔ وہ بھی ایک لمحہ کو تلاوت روک کر خاموش ہوئی پھر سر جھٹک کر دوبارہ توجہ قرآن پاک پر مرکوز کر لی چونکہ وہ یہ آواز بلند تلاوت کرنے کی عادی تھی اس لیے عموماً کمرے میں ہی تلاوت کیا کرتی تھی۔ رمضان میں اس نے خود ایک روٹین بنائی ہوئی تھی کہ فجر کے بعد آدھا پارہ ضرور پڑھا کرتی تھی۔ بقیہ آدھا سو کر اٹھنے کے بعد گھر کی صفائی مکمل کر کے پڑھتی پھر کام کاج کی روٹین اور نوعیت کو مدِنظر رکھتے ہوئے ایک پورا پارہ ظہر اور عصر کے بعد پڑھ لیا کرتی تھی۔ یوں روز دو پارے پڑھنے سے یہ ہوتا کہ کسی دن بوجوہ تلاوت رہ جائے یا کم ہو پائے تب بھی رمضان کے ماہ کا قرآن پاک ادھورا رہنے کا خدشہ نہیں ہوتا تھا۔ وہ آدھا پارہ پڑھ کے نشانی لگا رہی تھی جب مرتضٰی کمرے میں داخل ہوئے۔ وہ ان کے لیے جگہ خالی کرتی اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ مسکرا کر تلاوت کرنے بیٹھ گئے۔ دیا نے شیلف کے نچلے خانے سے اورادو وظائف کا کتابچہ اٹھایا اور بیڈ کے دوسری جانب بیٹھ کے درج اذکار پڑھنے لگی۔

☆☆☆

مرتضٰی اور دیا کی شادی کو دو برس کا عرصہ ہو گیا تھا۔ اولاد کا فی الحال کوئی سلسلہ نہ تھا۔ عاصمہ بیگم اور سلویٰ پر مشتمل یہ مختصر سی سسرال بہت آئیڈیل نہیں تھی البتہ اتنی ظالم بھی نہ تھی کہ اولاد کے معاملے کو لے کر دیا

کو تنگ کرتے۔ کم سے کم اس معاملے میں عاصمہ بیگم کے دل میں خوفِ خدا تھا کہ یہ سراسر مالک ارض و سما کی مرضی تھی۔ وہ جسے چاہے دے اور جسے چاہے نہ دے۔ البتہ باقی دنیاوی و زمینی معاملات میں عاصمہ بیگم مداخلت کرنا اپنا حق و فرض سمجھتی تھیں۔ بظاہر ان کا گھرانا کافی آئیڈیل تھا۔ ساس، بہو، نند، بھابی کے تعلقات دنیا کے سامنے بہت اچھے تھے لیکن کچھ تھا جو دلوں کے اندر بہت اندر تھا۔ وہی روایتی جلن یا پھر یہ کہ ساس خواہ کتنی بھی اچھی ہو جائے بہو اور بیٹی کے معاملات کو جانبدارانہ انداز سے ہی دیکھتی ہے اور بہو سے پوری توقع کرتی ہے کہ وہ بہر صورت ساس اور نند کو ماں اور بہن سمجھے۔

''ماں، بہن بھی تو بہت کچھ کہہ دیتی ہیں وہ تو برا نہیں لگتا۔ ساس، نند کا کیوں لگتا ہے۔'' کہہ کر وہ سارا الزام دیا کے سر ڈال دیتیں جو یہ نہیں کہہ پاتی تھی کہ......

''بیٹی بھی تو بہت کچھ کر جاتی ہے، وہ قابلِ اعتراض کیوں نہیں لگتا۔ بہو کا کیوں لگتا ہے۔'' لیکن وہ بہو تھی۔ زبان بندی جس کا فرض اور سر جھکانا جس کا مقدر تھا۔ گھرانا کتنا بھی دین دار کیوں نہ ہو جہاں بات آئے بہو، بھابی کی وہاں سارا دین اُڑنچھو وہاں اخلاقیات، سماجیات اور سسرالیات کی کتاب کھل جایا کرتی ہے۔

☆☆☆

فجر کے بعد تلاوت و اذکار پڑھ کے سب لوگ سو جایا کرتے تھے پھر دوبارہ جاگنے کا وقت دس ساڑھے دس کے درمیان ہوتا۔ مرتضیٰ کا الیکٹرانک مصنوعات کا ڈسپلے سینٹر تھا، مرحوم باپ کا چھوڑا چلتا ہوا کاروبار۔ سو کاروباری لوگ آرام سے ہی جایا کرتے ہیں۔ وہ بھی عموماً گیارہ بجے شاپ کھولتے اور رمضان میں بارہ بجے، دس بجے اٹھ کر وہ پہلے اخبار پڑھتے تھے پھر گھر کا سودا سلف لا کر شاپ پر جایا کرتے تھے۔ پہلا روزہ تھا، کچن کی بیشتر خریداری تو رمضان کے آغاز سے دو روز قبل ہی کر لی گئی تھی سو فی الحال کوئی سودا نہیں لانا

تھا۔ مرتضیٰ لاؤنج میں اخبار سنبھال کر بیٹھ گئے۔ عاصمہ بیگم نے بھی اخبار کا دوسرا حصہ اٹھالیا۔ سلویٰ کمرے سے نکلی تو ٹی وی آن کر کے بیٹھ گئی۔ دیا نے چارٹ پر درج ہدایات کے مطابق کام کاج شروع کرنے سے پہلے اکیس مرتبہ یا غفار پڑھا اور جھاڑو اٹھا کر سب سے پہلے ساس کے کمرے کا رخ کیا۔ عاصمہ بیگم نے ایک نظر مرتضیٰ کو دیکھا۔ وہ اخبار میں بری طرح منہمک تھے۔ دوسری نگاہ کام کرتے ہوئے زیرِ لب تسبیح پڑھتی اپنی اکلوتی بہو پر ڈالی اور تیسری نگاہ ٹی وی کے آگے جمی بیٹھی اپنی بیٹی سلویٰ پر آ کے ٹھہر گئی۔ انہوں نے بڑی بے قراری سے پہلو بدلا۔ سلویٰ بالکل بھی متوجہ نہ تھی۔ وہ ذرا سا کھنکھاریں۔ ہنوز نتیجہ صفر۔ طیش میں آ کے انہوں نے دانت پیستے ہوئے نیچی آواز سے اسے پکارا تو وہ چونکی۔ ماں کے چہرے پر چھائی سختی. کچھ باور کروانے کا انداز لیے ہوئے تھی۔ اس نے افرادِ خانہ پر غور کیا تو ماں کے کمرے سے آتی صفائی کی کھٹ پٹ نما آوازوں پر معاملہ سمجھ گئی۔ ناچار وہ ٹی وی آف کر کے بھابی کی مدد کروانے اٹھ گئی لیکن صفائی کے دوران ماں کی ہدایت کے مطابق وہ بھائی کے سامنے، سامنے رہی۔ دیا ساس کے کمرے کی صفائی میں مگن تھی۔ عاصمہ بیگم اور سلویٰ کے کمروں کے بیچ کی دیوار میں ایک چھوٹا دروازہ تھا جو دونوں کمروں کو ملاتا تھا۔ سلویٰ اپنے کمرے کا مرکزی دروازہ ہمیشہ لاک رکھا کرتی تھی اور آمدورفت کے لیے ماں کا کمرا استعمال کرتی تھی سو دیا ساس کے کمرے کی صفائی کے بعد اسی درمیانی دروازے سے سلویٰ کا کمرا بھی صاف کر دیا کرتی تھی۔ یوں مرتضیٰ کو کبھی اندازہ نہیں ہو پایا کہ وہ سلویٰ کا کمرا بھی صاف کرتی ہے۔ کبھی کبھار ماں کی باتوں میں الجھ کے وہ دبے لفظوں میں کہہ بھی دیتے تھے۔

''دیا تم گھر کی صفائی کرتی ہو سلویٰ تمہاری بھرپور مدد کرواتی ہے تو تم بھی امی کا کمرا صاف کرتے ہوئے سلویٰ کا کمرا بھی دیکھ لیا کرو۔ سلویٰ کو چھوٹی بہن سمجھو، نند نہیں۔'' نرم لہجے میں کیا گیا یہ شکوہ دیا کا دل

توڑ کے رکھ دیا کرتا تھا۔

"مرتضٰی، سلوئی کے کمرے کا بیرونی دروازہ ہمیشہ بند رہتا ہے اسی لیے آپ کو کبھی اندازہ نہیں ہو سکا کہ میں اندرونی دروازہ استعمال کر کے اس کا کمرا بھی روز صاف کرتی ہوں۔ وہ واقعی میرے لیے چھوٹی بہنوں جیسی ہے۔" وہ جواباً ضرور کہتی۔

"او کے ڈیئر بس خیال رکھا کرو۔" مرتضٰی جھگڑا نہیں کرتے تھے، اس کی بات کی نفی بھی نہیں کرتے تھے اور بحث بھی نہیں کرتے تھے لیکن ان کے انداز میں کچھ تو ایسا ہوتا تھا جو دیا کو یہ باور کرا دیتا تھا کہ مرتضٰی کو اس کے بیان پر یقین نہیں آیا تھا اور اس کی وجہ یقیناً اس کی ماں کا وہ بیان تھا جو بیوی کے بیان پر بہرحال فوقیت رکھتا تھا۔ جب دیا صفائی مکمل کر کے اپنے کمرے کی راہ لیتی تب سلوئی ماں کے پاس آ کے کہتی۔

"اچھا امی، میں ذرا اپنا کمرا دیکھ لوں۔" یہ مبہم سا جملہ کہتی وہ پلٹ جاتی اور عاصمہ بیگم انتہائی سرسری سے لہجے میں بولنے لگتیں۔

"مہمانوں کے آنے جانے کا کوئی پتا نہیں ہوتا سو پہلے باقی گھر کی صفائی ضروری ہوتی ہے۔ سلوئی کے کمرے میں کسی نے جانا نہیں ہوتا اس لیے میں نے اسے کہا ہوا ہے کہ پہلے بھابی کے ساتھ بقیہ گھر کی صفائی مکمل کروایا کرو پھر آخر میں اپنا کمرا صاف کیا کرو۔"

یوں بے حد عام سے بے ضرر سے انداز میں وہ مرتضٰی کے کان بھر دیتی تھیں جسے کان بھرنے کا نام بھی نہ دیا جا سکے اور مرتضٰی بس سر ہلا دیا کرتے تھے۔ وہ ماں اور بیوی دونوں میں بیلنس رکھنا چاہتے تھے سو معاملہ فہمی سے کام لیا کرتے تھے اور اب تک خاصے کامیاب بھی تھے۔

☆☆☆

دیا کی شدید خواہش کے باوجود اسے کوکنگ کا چارج نہیں مل سکا تھا۔ وہ صرف ہیلپر کے کام سرانجام دیا کرتی۔ کھانا عاصمہ بیگم خود پکاتی تھیں اور اس امر کے پیچھے وہی روایتی سوچ کارفرما تھی کہ کچن خاتونِ خانہ کی راجدھانی ہوتا ہے اور کوئی بھی عورت اپنی راجدھانی سے آسانی سے دستبردار نہیں ہوا کرتی کجا کہ یہ راج پاٹ بہو کو سونپ دے پھر جو عورت بیوہ ہو جائے اس کا تو ویسے بھی زندگی کا محور اس کا بیٹا بن جاتا ہے۔ یوں ساس بہو کی چپقلش جنم لیتی ہے۔ عورت سہاگن بھی ہو پھر بھی اس کے اپنے شوہر سے تعلقات خراب رہتے ہوں، اختلافات ہوں یا سرد مہری والا رشتہ ہو تب بھی وہ عورت، بہو کے لیے خطرناک ثابت ہوتی ہے۔ طلاق یافتہ اور بیوہ تو ٹھہریں محروم تمنا۔ ہاں جس عورت کے اپنے شوہر سے تعلقات مثالی ہوں وہ کبھی اپنی بہو کے لیے روایتی ظالم ساس ثابت نہیں ہوتی۔ یہاں ایک اور پوائنٹ بھی ہے۔ شوہر کے ساتھ مثالی تعلقات رہے ہوں لیکن اب وہ بیوہ ہے تب بھی مسئلہ ہے اور عاصمہ بیگم اس آخری قسم سے تعلق رکھتی تھیں۔ بہو سے حسد اور جلن محسوس کرتی تھیں اور وہی زہر بیٹی میں بھی منتقل کرتی جا رہی تھیں۔

☆☆☆

رمضان میں عاصمہ بیگم کی روٹین تھی کہ اخبار پڑھ کر وہ ظہر سے پہلے، پہلے ہنڈیا چڑھا لیتی تھیں۔ مرتضٰی شاپ پر چلے جاتے تھے۔ سلوئی بی اے کے ایگزام دے کر فارغ تھی سو وہ اپنے مشاغل کو زیادہ وقت دیا کرتی۔ دیا ان اوقات میں کپڑے دھونے یا استری کرنے جیسے کام نمٹایا کرتی۔ عاصمہ بیگم ہنڈیا چڑھا کر کچن سے نکلتیں تو دیا کوکنگ کے دوران استعمال ہونے والے تھوڑے بہت برتن دھو کر کچن صاف کر کے بند کر دیا کرتی تھی۔ ہنڈیا چڑھاتے وقت ہی عاصمہ بیگم پکوڑوں کے لیے بیسن گھول کے ڈھک کے رکھ دیا کرتیں۔ کئی گھنٹے گھولا ہوا پڑا رہنے سے پکوڑے زیادہ مزیدار بنتے ہیں۔ اس سب کے بعد عاصمہ بیگم کا کام ختم ہو جاتا تھا۔ عصر کے بعد افطاری کی تیاری شروع کی جاتی تھی اور وہ ڈیوٹی سلوئی اور دیا کی تھی۔ عاصمہ بیگم اس وقت صرف تلاوت کلام پاک کیا کرتیں، دیا پکوڑے اور فروٹ چاٹ بناتی تھی جبکہ سلوئی کے ذمے شربت بنانا اور روٹیاں پکانے کا کام

تھا۔ اس دن بھی عاصمہ بیگم مسالا بھون کر آنچ دھیمی کر رہی تھیں جب مرتضیٰ شاپ پر جانے کے لیے ماں کو اللہ حافظ کہنے آئے۔

”آج کا کیا مینو ہے امی جی؟“ عاصمہ بیگم بیسن کا جار اٹھا کے دیکھ رہی تھیں، اندازے سے پیالے میں بیسن نکالتے ہوئے انہوں نے سر اٹھا کر بیٹے کو دیکھا۔

”سلویٰ نے بریانی کی فرمائش کی تھی۔ میں نے سوچا دیا کو بھی بہت پسند ہے۔ شروع روزوں میں تو کھانے پینے کی روٹین سیٹ نہیں تھی تو اہتمام ہی نہ کر سکے۔ آج سلویٰ بھی موڈ میں ہے۔ بریانی کے ساتھ کباب، رائتہ اور سلاد ہو جائے گا۔ سلویٰ نے افطاری میں چنا چاٹ اور کٹلس کا پلان بنایا ہے۔“ اپنی اور سلویٰ کی پلاننگ بیٹے کے گوش گزار کر کے وہ دانستہ طور پر پکوڑوں اور فروٹ چاٹ کا تذکرہ حذف کر گئیں جو دیا کی ذمے داری تھا اور مرتضیٰ کو بھی خیال نہ آیا۔ افطاری کی تیاری کے منظر نامے میں ماں اور بہن چھائی نظر آئیں وہ بے اختیار بولے۔

”دیا کو بھی ساتھ لگایا کریں، آپ کی ہیلپ کروا دیا کرے یا کبھی کبھار کوئی آئٹم وہ بھی بنا لیا کرے۔“ بیسن میں مسالے مکس کر کے پھینٹتے ہوئے وہ مسکرائیں۔

”ہاں تو آ جائے بے شک، ہیلپ کرا لے یا کوئی ڈش بنائے ہم نے کب روکا۔ اس کا اپنا گھر ہے شوق سے جو چاہے بنائے جو کام چاہے کرے۔ ہم نے کب کوئی روک ٹوک کی۔“ انتہائی فراخدلانہ انداز میں سیاسی قسم کا بیان دیتے ہوئے انہوں نے بیسن کا پیالہ پیچھے کھسکا کر پلیٹ سے ڈھکا اور گندے برتن جمع کر کے سنک میں ڈالنے لگیں۔ اب یہ کام تو روز دیا ہی کرتی تھی لیکن چونکہ بیٹا موجود تھا سو مقاصد تبدیل ہو گئے تھے۔ اس لیے وہ برتن دھونا شروع ہو گئیں۔ شامتِ اعمال دیا اس وقت نہانے کے لیے واش روم گئی ہوئی تھی۔ یہ بات مرتضیٰ کو معلوم تھی سو ماں کو برتن دھوتے دیکھ کر انہوں نے دروازے سے باہر سلویٰ کے کمرے کی جانب جھانکا لیکن انہیں اندازہ نہیں ہو پایا کہ سلویٰ کہاں تھی اور کیا کر رہی تھی۔ عاصمہ بیگم نے مرتضیٰ کی نگاہوں کا مرکز بھانپ لیا لیکن وہ واپس کچن میں آ کے خاموشی سے سلیب سے ٹیک لگا کے کھڑے ہو گئے تو عاصمہ بیگم ذرا کھٹک گئیں۔ دھلے برتن ریک میں لگا کر وہ اپنے ازلی سرسری انداز میں بولیں۔

”سلویٰ ابھی ابھی میرے سارے کپڑے اٹھا کر استری کرنے لے گئی ہے۔ بہت غصہ ہو رہی تھی مجھ پر کہ امی آپ بہت بے پروا ہو رہی ہیں بنا استری کے مسلے ہوئے کپڑے پہنتی رہتی ہیں۔ میں نے بہت کہا کہ رہنے دو، مجھے بھلا کس نے دیکھنا ہے تم لوگ جوان ہو، سجنا سنورنا بنتا بھی ہے لیکن یہ ضدی لڑکی ہفتے بھر کے سوٹ اٹھا کے لے گئی کہ استری کر کے لٹکا دوں گی جو دل کرے پہن لیجیے گا۔ دیا کیا ریسٹ کر رہی ہے؟“ ہنستے، ہنستے بات کرتے ہوئے آخر میں اپنی بات میں ایک پھندنا ٹانک کر بیٹے کی طرف دیکھا جو بغور ماں کی بات سنتے ہوئے ان کے سلیب صاف کرتے ہاتھوں پر نظریں جمائے کھڑے تھے۔ آخری بات پر جیسے چونک کر سیدھے کھڑے ہو گئے۔ ٹراؤزر کی پاکٹس تھپتھپا کر موبائل اور والٹ کی موجودگی کا یقین کیا اور ماں سے بھی زیادہ سرسری لہجہ اپنایا۔

”نہیں امی، وہ شاور لے رہی ہے اچھا اللہ حافظ۔“ کہہ کر ماں کے آگے سر جھکا کر پیار لیا اور لاؤنج سے گاڑی کی چابی اٹھا کر نکل گئے۔ پورچ میں گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز سن کر وہ سلیب صاف کرنے والا کپڑا دھوتے، دھوتے فاتحانہ مسکرائیں۔ کپڑا اسٹینڈ پر پھیلا کر وہ مڑیں۔ اب ان کا رخ بیٹی کے کمرے کی جانب تھا۔ درمیانی دروازہ کھول کر اندر جھانکا تو سلویٰ بیگم بیڈ پر اوندھی لیٹی سامنے لیپ ٹاپ دھرے انٹرنیٹ پر مصروف تھی۔

”اور جو مرتضیٰ تمہارے کمرے میں جھانک لیتا ناں تو میں جھوٹی پڑ جاتی۔“ عاصمہ بیگم نے دانت پیس کر بیٹی کو ساری بات بتائی اور کوسنے لگیں۔

”تو میں کہہ دیتی کہ سارے سوٹ پریس ہو گئے

کیونکہ میں آپ کی بات سن چکی تھی البتہ آپ سے گزارش ہے کہ والیوم تھوڑا کم رکھا کریں۔ بھابی ساری بات آرام سے سن لیتی ہوں گی۔" سلوئی ہنس دی اور بے پروائی سے لیپ ٹاپ پر کھٹا کھٹ بٹن پریس کرتے ہوئے بولی۔

"تو سنا کرے۔ میں کوئی اس سے ڈرتی ہوں اور میں کون سا اس کی برائی کر رہی تھی اپنے بیٹے سے بات کر رہی تھی۔" عاصمہ بیگم تنک کر بولیں۔ وہ کچھ اور بھی کہتیں لیکن دیا کے کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی تو فوراً درمیانی دروازہ بند کر کے جائے نماز بچھالی کیونکہ دیا کا رخ کچن کی جانب تھا۔ برتن دھلے دیکھ کر اس نے لازمی آکر ساس سے استفسار کرنا تھا۔ اس سے بچنے کے لیے عاصمہ بیگم نے فوراً ظہر کی نیت باندھ لی اور ٹھیک اسی لمحے دیا نے اندر جھانکا۔ انہیں نماز پڑھتا دیکھ کر وہ دل مسوس کر رہ گئی۔ اس کا ارادہ تھا برتن دھو کے کچھ دیر تسبیحات کرے گی پھر ظہر پڑھے گی۔ وہ نہا کر جب نکلی تو ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑے بال سلجھاتے ہوئے ساس کی گفتگو اس کے کانوں میں پڑی وہ سن کھڑی رہ گئی۔

"اور اب مرتضیٰ کہیں گے کہ... میری ماں کو کپڑے تک استری کر کے دینے والا کوئی نہیں۔ بہن کو احساس ہوا بیوی کو کبھی نہیں ہوا۔" وہ اپنے استری شدہ سوٹ پر نظریں جمائے سوچ میں گم ہو گئی۔ اس نے بارہا عاصمہ بیگم کو خود کپڑے استری کرتے دیکھا تھا اور سلوئی نے کبھی ان کے کپڑے استری نہیں کیے تھے جبکہ وہ خود ہر بار ساس کے ہاتھ سے کپڑے لینے کی کوشش کیا کرتی مگر ہر بار وہ ہنس کر کہہ دیا کرتیں۔

"ارے نہیں، تم کوئی اور کام دیکھ لو میں تو بس ایک ہاتھ مار کر سیدھا کرتی ہوں کپڑوں کو۔ یہ لو ہو بھی گئے۔" کہہ کر وہ استری بند کر دیتی تھیں۔ "اور آج......"

عموماً وہ کپڑے استری بھی ان اوقات میں کرتی تھیں جب دیا کمرے میں ریسٹ کر رہی ہوتی تا کہ اسے پتا نہ چلے اور بعد میں وہ کہہ دیتی تھیں کہ کپڑے سلوئی نے استری کیے۔ وہ بوجھل دل کے ساتھ.... جانماز بچھا کر ظہر پڑھنے کھڑی ہو گئی۔ پوری نماز میں اس کا دھیان بھٹک، بھٹک کر ساس، نند کی چالبازیوں میں ہی الجھتا رہا۔ اس کی سسرال میں بڑا جھگڑا کبھی نہیں ہوا کرتا تھا۔ یہی چھوٹی، چھوٹی باتیں تھیں جو قطرہ، قطرہ دریا بناتی جا رہی تھیں اور دیا کو لگ رہا تھا وہ اس دریا میں ڈوبتی جا رہی ہے اور ایک دن آئے گا جب مرتضیٰ کنارے کھڑے اسے ڈوبتا دیکھتے رہ جائیں گے۔

نماز مکمل کر کے اس نے چارٹ میں دی گئی ہدایات کے مطابق اکیس مرتبہ یا قہار پڑھا اور دل کی جگہ پھونک مار کر جائے نماز لپیٹ لی۔ لاؤنج کے کونے میں موجود ریک میں جانماز رکھتے ہوئے اس نے دیکھا عاصمہ بیگم تسبیح تھامے کمرے میں ہی ٹہل رہی تھیں۔ وہ ان کے کمرے کے دروازے پر آکے رکی تو ان کی واک بھی تندرے تھمی۔

"کوئی کام ہو تو بتا دیں امی جی۔" دھلے برتنوں کا تذکرہ اب بے معنی تھا۔ انہوں نے خود ہی جتا دینا تھا اور ہوا بھی یہی وہ تسبیح کے دانے گراتے ہوئے شفقت سے بولیں۔

"نہیں، نہیں تم اب ریسٹ کرو اب بس افطاری کی تیاری کے لیے ہی عصر کے بعد آنا۔ ابھی قرآن پاک پڑھ لو یا کوئی تسبیح۔ میں بھی تسبیح کر کے ذرا کمر ٹکاؤں گی۔ برتن تو میں نے ہنڈیا چڑھاتے ہوئے ساتھ، ساتھ دھو لیے تھے۔ ہاتھ کے ہاتھ کام سمیٹو تو مشکل نہیں ہوتی۔ تم بھی اب جا کے ریسٹ کرو۔" کہتی ہوئی پھر سے ٹہلنے لگیں تو دیا تلخی بھرے گھونٹ بھرتی مڑ گئی۔ کمرے کا دروازہ بند کر کے تھکے، تھکے انداز میں بیڈ پر آ بیٹھی۔ اس کے نم بالوں سے اب بھی قطرے ٹپک رہے تھے۔ شفاف قطروں کو کپڑے بھگوتے دیکھ کر کچھ قطرے اس کی آنکھوں سے بھی ٹپکے اور پانی کے ان خوشبودار قطروں کے ساتھ مل گئے۔

☆☆☆

گھر چھوٹا سا تھا پانچ مرلے۔ مرتضیٰ کے والد

مرحوم مصطفیٰ کلیم صاحب نے اچھے وقتوں میں تعمیر کروایا تھا۔ ہر آسائش سے مزین مگر سادہ۔ مرتضیٰ اور سلویٰ بس دو ہی بہن بھائی تھے۔ گھر میں تین بیڈ روم تھے اور تینوں اٹیچڈ باتھ، لاؤنج، ڈرائنگ روم اور پورچ۔ چھوٹی سی اس فیملی کے لیے بالکل موزوں...... نقشہ کچھ یوں تھا کہ پورچ سے لاؤنج میں داخل ہوتے تو دائیں ہاتھ پر ڈرائنگ روم جس کا ایک دروازہ پورچ میں بھی کھلتا تھا۔ اس کے ساتھ کچن جڑا تھا بائیں جانب دیکھیں تو مرتضیٰ اور دیا کا کمرا تھا اور سامنے مرکزی دیوار میں ساتھ، ساتھ جڑے دو کمرے۔ عاصمہ بیگم اور سلویٰ کے۔ لاؤنج بس اتنا تھا کہ چار کرسیوں والی ڈائننگ ٹیبل اور ایک صوفہ کم بیڈ سمایا ہوا تھا۔ یوں سلویٰ کے کمرے کے ساتھ کچن جڑا تھا اور عاصمہ بیگم کے کمرے کے ساتھ دیا کا کمرا۔ یہی وجہ تھی کہ اسٹار پلس کا ڈراما نہ ہونے کے باوجود اسٹار پلس کی طرح ایک دوسرے کی باتیں بھی بہ آسانی اور کبھی پلاننگ کے ساتھ سن لی جاتی تھیں۔ اس کام میں سلویٰ اور عاصمہ بیگم ماہر تھیں تو دیا انہیں دیکھ دیکھ کر تربیت لے رہی تھی۔

☆☆☆

''بعد ظہر تھوڑی دیر سونے کے لیے لیٹیں تو اکیس مرتبہ یا خبیرُ پڑھیں۔'' ساس کی باتوں پر دلگرفتہ ہوتی وہ لیٹی تو سامنے چسپاں چارٹ پر نظر پڑی۔ اسے پڑھ کر وہ تکیہ سیدھا کر کے لیٹی ہی تھی کہ موبائل پر میسج ٹون بجی۔

''کیا ہو رہا ہے؟'' مرتضیٰ کا میسج تھا۔

''ریسٹ۔'' اس نے ایک لفظی ریپلائی بھیج کر موبائل پاس ہی رکھ لیا۔ لاشعوری طور پر وہ جواب کے انتظار میں تھی۔

''نہ کبھی جھوٹ بولنا آیا نہ اپنے کام کاج جتا کر سازشوں کی بنیاد رکھنا آیا۔'' وہ یاسیت سے سوچتی خود ترسی کا شکار ہو رہی تھی۔ مرتضیٰ کا پھر کوئی میسج نہیں آیا غالباً انہیں ریسٹ پر اعتراض ہوا تھا۔ اس نے موبائل اٹھا کر چیک کیا کہ شاید اسے آواز نہ آئی ہو۔ کچھ دیر یوں ہی بار، بار چیک کرتی رہی پھر غصے سے موبائل بیڈ پر پٹخ کر دوسری جانب رخ پھیر کر یوں کروٹ لی گویا وہ موبائل نہ ہو بلکہ مرتضیٰ خود ہوں پر غصے میں بھلا نیند آئی ہے کبھی۔

''کسی وقت غصہ آئے تو اکیس مرتبہ یا حفیظُ پڑھیں۔''

کروٹ کے بل بھی نگاہ چارٹ پر پڑی وہ ایک گہری سانس لے کر اٹھ بیٹھی۔ ورد پورا کیا اور خود پر پھونکا تو کچھ سکون سا محسوس ہونے لگا یک دم موبائل بجا۔ اس نے پھرتی سے اٹھایا کہ شاید مرتضیٰ کی کال ہو مگر اسکرین پر پیاری ماں کے الفاظ بلنک کر رہے تھے۔ وہ مسکرا اٹھی۔ پھر ماں سے دکھ سکھ کرتے دل کی بھڑاس نکالی۔ ساس، نند کی جی بھر کر غیبتیں کرتے ہوئے وہ اور اس کی ماں دونوں فراموش کر گئیں کہ یہ ماہِ رمضان ہے بس اس کے دکھے دل کو سکون آ جاتا تھا روز ساس نند کے دکھڑے ماں کو سنا کے۔ گھنٹا پیکج مکمل ہوا تو گھڑی پر نظر گئی اور پھر اسی کے نیچے لگے اس رمضان چارٹ پر۔

''افوہ، اس گھنٹے میں، میں نے کلمے کی تسبیح مکمل کرنی تھی۔'' اسے افسوس ہوا چند لمحے خود کو کوسنے میں صرف کیے پھر اٹھی اور قرآن پاک کی تلاوت شروع کر دی۔ کچھ ہی دیر میں عصر کا وقت ہو جاتا پھر افطاری کی تیاری شروع کرنی تھی۔ اس نے اپنی نشانی سے ربن پکڑ کر قرآن پاک کھول کر اسے چوما مگر دل میں ایک خاموش سرد جنگ سی چھڑی ہوئی تھی۔

''رمضان، عبادات اور...... یہ ہم کیا کر رہے ہیں۔'' پھر سر جھٹکا۔ ''اللہ غفور و رحیم ہے۔ لیکن پھر بھی کوئی تو سوچے، ہم عبادات کرتے ہیں پھر غیبتیں کرتے ہیں پھر تسبیحات کرتے ہیں پھر ایک دوسرے کے خلاف سازشیں کرتے ہیں پھر نوافل ادا کرتے ہیں پھر جھوٹ بولتے ہیں پھر تہجد پڑھتے ہیں پھر بدگمانیاں پالتے ہیں۔ یہ کیا بن رہا ہے؟ کیا بنا رہے ہیں ہم اپنے لیے؟ گڑبڑ گھٹالا کسی ایک بھی چیز کا کوئی فائدہ ہے......؟''

☆☆☆

عاصمہ بیگم آرام کی غرض سے لیٹی تھیں۔ سلوئی لاؤنج سے اخبار اٹھانے آئی۔ کونے میں پڑے چھوٹے سے پلاسٹک ریک کے اوپری شیلف پر جانمازیں رکھی ہوتی تھیں۔ درمیانی شیلف پر اخبارات اور سب سے نچلے شیلف پر میگزین وغیرہ رکھے ہوتے تھے، وہ جھک کر اخبار اٹھانے لگی تو دیا کے کمرے سے باتوں کی ہلکی، ہلکی آوازیں آرہی تھیں۔ وہ اخبار اٹھا کر سیدھی ہوئی اور تھوڑا آگے ہو کے سننے لگی اور بس عورت کی فطرت میں یہ تجسس اور ٹوہ لینے کی خصلت نہ ہو تو بہت کچھ سنور جائے لیکن کیا، کیا جائے کہ عادت تو بدلی جاسکتی ہے لیکن فطرت نہیں۔

''کتنا صبر کروں امی، دو سال تو ہوگئے ہیں حالات ذرہ بھر بھی نہیں بدلے۔ ہمیشہ یہ لوگ میرے ساتھ یہی کرتے ہیں۔ میں امی اور سلوئی کا کتنا خیال کرتی ہوں، کتنے خلوص سے اپنا سمجھ کے کام کرتی ہوں پھر بھی نہ جانے کیوں یہ لوگ ہر وقت میرے لیے گڑھے ہی کھودتی رہتی ہیں۔ وہ تو شکر ہے مرتضیٰ اچھے ہیں ان لوگوں کی باتوں میں نہیں آتے لیکن پھر بھی۔ قطرہ، قطرہ آخر پتھر میں شگاف ڈال ہی دیتا ہے۔'' دیا قدرے جوش میں آگئی تھی سو آواز تھوڑی سی اونچی بھی ہوگئی تھی۔

سلوئی کے تو تن بدن میں گویا چنگاریاں اور شرارے پھوٹ پڑے۔

''مجھے تو بس۔۔۔اب صرف سلوئی کی شادی کا انتظار ہے۔ اپنے ہی جیسی نند سے جب واسطہ پڑے گا ناں تو لگ پتا جائے گا۔ ساری چالبازیاں اور طراریاں بھول جائے گی پھر اماں بھی اپنی بیٹی کے چکروں میں میرے خلاف سازشیں کرنا بھول جائیں گی اللہ ہی سمجھے انہیں تو۔''

اور بس سلوئی سے مزید کھڑا ہونا دوبھر ہوگیا۔ وہ من، من بھر کے قدم لیے ماں کے کمرے میں آئی اور ان کی پائنتی کی طرف دھڑام سے بیٹھ کر جو رونا شروع ہوئی تو عاصمہ بیگم جو دھڑام کی آواز پر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھیں اسے روتا دیکھ کر ہوش و حواس کام کرنا چھوڑ گئے۔

''ارے کیا ہوا بیٹی..... میری بچی..... سلوئی؟''

وہ بے ربط انداز میں بولتی ہوئی سلوئی کے نزدیک آئیں۔ اس حواس باختگی میں بھی انہیں پرائیوسی نہیں بھولی۔ انہوں نے جھٹ سے ہاتھ بڑھا کر چھکوں پھکوں روتی سسکتی سلوئی کو گھسیٹا اور اس کے کمرے میں لے گئیں۔ بیڈ پر بٹھا کر پانی لانے اٹھیں تو خیال آیا رمضان ہے۔ پھر کمر سہلانے لگیں۔

''بس میری بیٹا، بولو تو سہی ہوا کیا..... تم تو اچھی بھلی اپنے کمرے میں تھیں۔ اچانک کیا ہوگیا.....؟''

اور بیٹا کا آتش فشاں پھٹ پڑا اور پھر ایک کی دس کے بجائے پچاس لگائیں آنسوؤں کے تڑکے کے ساتھ۔

☆☆☆

خاموشی سے آکر ٹھہرے ہوئے طوفان سے بے خبر ...محترمہ دیا مرتضیٰ صاحبہ سکون سے سپارہ ختم کر کے اٹھیں۔ قرآن پاک شیلف پر رکھ کے بیڈ کی چادر درست کی اور عصر کی نیت باندھ لی۔ نماز پڑھ کے وہ درود پاک کا ورد کرتی کمرے سے نکلی اور کچن کا رخ کیا۔ کچن میں سلوئی کو مصروف دیکھ کر اس پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

''سلوئی کچن میں کام کرے اور اتنی خاموشی سے بنا کسی شور شرابے کے..... بنا برتن کھڑکائے آج کون سی انہونی ہوگئی۔'' وہ حیرت سے سوچتی آگے بڑھی تو ایک اور جھٹکا لگا۔ ایک برنر پر چنے ابل رہے تھے، دوسرے پر آلو اور تیسرے پر املی کی چٹنی پک رہی تھی۔ کچھ ابلے آلو چھلے ہوئے ایک بڑے پیالے میں پڑے تھے اور سلوئی دھنیا، پودینہ اور ہری مرچیں بکھرائے چٹنی تیار کررہی تھی۔ وہ مزید حیران ہوئی چند قدم اور آگے بڑھی اور ایک اور جھٹکا لگا۔ سلوئی نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تک نہیں..... پکوڑوں کے آمیزے کے قریب ہی پیاز اور آلو بھی کٹے پڑے تھے۔ اسے کچھ خبر نہیں تھی۔ آج کیا مینو ہے۔ اسے ذرا سُبکی کا احساس تو ہوا لیکن پھر بھی جاننا تو ضروری تھا۔

''کیا بنا رہی ہو سلویٰ؟ کوئی اسپیشل اہتمام تھا تو مجھے بھی بتا دیتیں، میں تمہارے ساتھ ہیلپ ہی کرا دیتی۔ کب سے لگی ہو؟ دن میں ریسٹ نہیں کیا؟'' وہ سلویٰ کے دل کی حالت سے بے خبر اپنی ہی دھن میں بولے گئی مگر سلویٰ کی جانب سے جواب ندارد...... تھوڑا آگے ہو کر ہری چٹنی کو پیالے میں انڈیلتی سلویٰ کے چہرے کو اس نے بغور جانچا۔

''کیا ہوا ہے سلویٰ؟'' نہ جانے اس کے چہرے پر ایسا کیا تھا کہ سلویٰ مزید کچھ بول نہیں سکی۔ سلویٰ ایک سپاٹ سی نگاہ دیا پر ڈال کر پیالے میں رکھے ابلے آلوؤں کو چھیلنے لگی۔

''کچھ نہیں، چاٹ وغیرہ بنا رہی ہوں۔'' آلو کچل کر مسالے ڈالتے ہوئے اس نے اسی سپاٹ لہجے میں کہا تو دیا کو غیر معمولی پن کا احساس ہوا۔ یک دم اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔

''یہ نہ جانے کب سے کچن میں لگی ہے کہیں اس نے میری گفتگو تو نہیں سن لی؟'' اس سوچ سے ہی دیا کا چہرہ زرد پڑنے لگا۔ اب وہ مزید کچھ بھی پوچھتی سلویٰ نے جواب نہیں دینا تھا۔ اتنا تو وہ جان ہی گئی تھی اسے...... سو باسکٹ سے چھری اٹھا کر فروٹ چاٹ بنانے کے لیے فروٹس چننے لگی تب چھلے آلوؤں کی ٹکیاں بناتی سلویٰ کے ہاتھ ذرا گئی ذرا تھمے اور وہ تیزی سے بولی۔

''فروٹ چاٹ میں بنا کر فریج میں رکھ چکی ہوں۔'' اور دیا کے ہاتھ فروٹ باسکٹ میں ہی جم گئے۔ اب کے اسے شدید ترین گڑبڑ کا احساس ہوا اور اپنا اندیشہ درست لگنے لگا۔ وہ فروٹس چھوڑ کر پلٹی اور اب کے خود کو سوال کرنے سے روک نہیں پائی۔

''کیوں سلویٰ، ایسی کیا بات ہو گئی؟ دو سال ہو گئے یہ روٹین ہے کہ فروٹ چاٹ اور پکوڑے میں ہی بناتی ہوں پھر آج کیا ہوا ہے؟ مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے؟ کوئی ناراضی ہے مجھ سے؟''

سلویٰ کا رنگ قدرے پھیکا پڑ گیا۔ وہ چونکہ گھر میں سب سے چھوٹی تھی سو کبھی کسی مسئلے میں ڈائریکٹ نہیں الجھتی تھی اور نہ ہی دوبدو جھگڑا کرتی تھی، وہ ہمیشہ ماں کو آگے کیا کرتی تھی۔ اور فی الوقت وہ کمرے میں تھیں۔ سو اسے اپنی ٹون تھوڑی چینج کرنی پڑی۔ دیا کو ٹالنا ضروری تھا۔

''نہیں، اصل میں مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ مرتضیٰ بھائی چنا چاٹ اور کٹلس کی فرمائش کر کے گئے تھے سو میں نے سوچا اسی کی تیاری کر لوں۔ چنے اور آلو ابلنے میں ٹائم لگ رہا تھا۔ میں فارغ تھی تو فروٹ چاٹ بھی بنا لی۔'' اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں اور کٹلس کی ٹکیوں والی پلیٹ اٹھا کے سائڈ پر رکھتے ہاتھوں میں واضح لرزش تھی۔ دیا نے مزید کچھ بھی کہنے کا ارادہ ترک کر دیا اور کچن سے نکل کر لاؤنج میں آ بیٹھی۔ یہ تو طے تھا کہ اب اسے افطاری تک مزید کچھ بھی کرنے نہیں دیا جائے گا۔ وہ اپنی ساس، نند کو بخوبی جانتی تھی۔ سو ہی اخبار اٹھا کر بیٹھ گئی جسے لینے سلویٰ کمرے سے نکلی تھی اور پھر اس پر دیا کے دل کے راز کھلے تھے۔ نظریں اخبار پر جبکہ دھیان کچن میں ابلے چنے اور آلو مکس کر کے چٹنیاں ملاتی سلویٰ میں اٹکا تھا۔ دوسری طرف سلویٰ کا دھیان بھی سارا اخبار میں منہ گھسائے بیٹھی دیا کی جانب تھا۔ اتنے میں عاصمہ بیگم کمرے سے نکلیں۔ سر پر لپٹا دوپٹا بتا رہا تھا کہ وہ عصر پڑھ کے نکلی ہیں۔ وہ بھی سیدھی کچن میں چلی گئیں۔ وہ اخبار واپس پٹخ کر ساس کے پیچھے کچن میں چلی آئی۔

''بھلے سے کچھ نہ کرنے دیں، میں بھی ان کے سروں پر سوار رہوں گی۔'' سوچتے ہوئے وہ کچن کے دروازے کی چوکھٹ سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔ لبوں پر درودِ پاک کا ورد تھا۔ دل میں بغض تھا...... لیکن دوسری طرف بھی حال کچھ ایسا ہی تھا۔

''آ گئیں اب مدد کا ڈراما رچانے...... اندر اتنا زہر بھرا ہے اور سارا دن کیسے امی، امی کرتی پھرتی ہے۔'' عاصمہ بیگم اندر ہی اندر کلستے ہوئے چاول نکال کر ابالنے رکھ رہی تھیں۔ دوسرے برنر پر بریانی کا مسالا گرم کرنے رکھا ہوا تھا۔ ان کے لبوں پر پہلے

عشرے کی دعا تھی۔
''اے اللہ مجھے معاف کردے، میرے اوپر رحم کر، تو بہترین رحم کرنے والا ہے۔'' اللہ کیسے رحم کرے ظالموں پر......؟
''بھائی کو کلیئر تو بتا نہیں سکتے کہ میں نے بھابی کی باتیں سنی ہیں۔ امی ہی کوئی چکر چلائیں گی مگر اب اس چلتر بھابی کو کوئی موقع نہیں دینا... خیال رکھنے کے ڈرامے کرنے کا۔'' سلویٰ چاٹ تیار کر کے فریج میں رکھ رہی تھی۔ لبوں پر درود پاک کا ورد تھا۔ سرکارِ دو عالم صرف لبوں سے ادا کردہ درود قبول کر لیتے ہیں؟ وہ درود جو لبوں پر ہو، دل و دماغ میں......؟
ایک گہری چپ، معنی خیز خاموشی اور دل توڑ دینے والی مگر اذیت سوچوں کا عفریت چاروں اطراف گردش کرتا تینوں نفوس کو اپنی، اپنی جگہ بوجھل کیے دے رہا تھا۔ عاصمہ بیگم اب بریانی کی تہیں لگا رہی تھیں۔ سلویٰ شربت گھول رہی تھی۔ دیا خاموش تماشائی......نہ مزید سوال کرنے کی ہمت تھی نہ آگے بڑھ کر کوئی کام کرنے کا حوصلہ......اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ قریب تھا کہ چھلک پڑتیں، وہ سرعت سے آنسو چھپانے کو مڑی، عین اسی لمحے عاصمہ بیگم بریانی کو دم پر لگا کے مڑیں اور سلویٰ فریزر میں سے برف نکالنے کو مڑی...... دیا کی جھلملاتی آنکھوں کی چھب دونوں نے دیکھی...... عاصمہ بیگم کا دل ذرا سا پسیجا مگر سلویٰ کے چہرے پر پھیلتا تنفر دیکھا تو بیٹی کی آنسو بھری آنکھیں بہو کی جھلملاتی آنکھوں پر سبقت لے گئیں۔ وہ پھر سے بے نیاز بن گئیں۔ کچن سے نکل کر لاؤنج میں پڑے کاؤچ پر بیٹھ کر پھر سے وہی اخبار سنبھالنے تک دیا خود کو کمپوز کر چکی تھی لیکن اس منتشر دماغ کے ساتھ کوئی خبر کیا خاک پلے پڑتی۔ عاصمہ بیگم لاؤنج میں ہی ڈائننگ ٹیبل کی کرسی سنبھالے اب تلاوت کر رہی تھیں، گاہے بگاہے ایک چور نظر دیا پر ڈال لیتی تھیں۔ بالآخر دیا سے رہا نہیں گیا۔ ایک بار پھر انا کو کچل کر مصالحت پسندی کا انتخاب کرتے ہوئے ساس کو مخاطب کیا۔
''پکوڑے تلنے ہیں امی؟'' عاصمہ بیگم نے ذرا کی ذرا اسے نظر اٹھا کر دیکھا۔ مزید بے اعتنائی نہ جتا سکیں۔ دھیرے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ غنیمت جان کر اٹھی اور کچن میں آ گئی۔ سلویٰ نے ایک چولھے پر ابھی ابھی کڑاہی چڑھائی تھی اور دوسرے پر کٹلس تل رہی تھی۔ گویا اگر وہ ذرا بھی لیٹ ہوتی تو سلویٰ پکوڑے تلنا بھی شروع کر چکی ہوتی۔ دیا نے دیدہ دلیری سے پکوڑوں کے بیسن کا باؤل سلویٰ کے آگے سے اٹھایا اور آلو پیاز مکس کرنے لگی۔ کڑاہی میں گھی گرم ہوا تو پکوڑے تلنے کے لیے ڈالے اور پھرتی سے ٹرے اٹھا کر برتن سیٹ کرنے لگی۔ سلویٰ خاموشی سے کٹلس تلتی ہوئی اس کی پھرتیاں دیکھ رہی تھی۔ افطاری میں بس دس منٹ باقی تھے۔ مرتضیٰ کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا تو جیسے دیا کو اندر تک سکون اترتا محسوس ہوا تھا۔ وہ مسلسل درود پاک کا ورد کرتی جا رہی تھی اور دل ہی دل میں سلویٰ کو کوستی جا رہی تھی۔ دوسری جانب بھی یہی حال تھا۔ خدا جانے ہمارے دلوں کو کیا ہو گیا ہے۔ خدا رسول ﷺ کی یاد بھی دلوں کے میل نہیں اتارتی، دلوں میں کھوٹ کی زیادتی ہو گئی ہے یا دکھاوے کی عبادات بڑھ گئی ہیں، کچھ سمجھ نہیں آتا۔ ضمیر بیچارہ بھی کب تک چیخے۔ چیخ، چیخ کے ملامت کر کر کے بالآخر شرمندہ ہو کے چپ ہی کر جاتا ہے یا پھر تیزی سے بڑھتے گناہوں کے بوجھ تلے بری طرح دب جاتا ہے اور دبی ہوئی چیز کی آواز بھلا باہر کب آتی ہے۔
مرتضیٰ نے لاؤنج میں قدم رکھا تو نہ جانے کیوں دیا کا دل ڈوب کے ابھرا...... وہ سلام کر کے واپس کچن میں آئی اور پکوڑے نکال کر ٹرے میں رکھنے لگی۔
''کیسے ہو سکتا ہے کہ مرتضیٰ ماحول کی کشیدگی اور تناؤ محسوس نہ کریں۔ ماں اور بہن میں تو ان کی جان بندھی ہے۔'' اس نے یاسیت سے سوچا اور درودِ پاک کا ورد تیز کر دیا۔
''بھائی کے آگے فی الحال تو موڈ بگڑا ہی رکھوں گی۔ سمجھ جائیں گے کہ ان کی بیگم ہی کی کوئی کارستانی

ہے۔ ہمیں خود سے بتانا نہیں پڑے گا۔'' برتنوں کی ٹرے لے جاتی دیا کو دیکھ کر سلوئی نے سوچا پھر یک دم جیسے ہوش میں آئی۔ پھرتی سے فریج کھول کر چنا چاٹ، فروٹ چاٹ اور شربت کا جگ نکالا...... گلاس کے ساتھ ہی جمبو سائز ٹرے میں سب سیٹ کیا اور ٹیبل پر پہنچ گئی۔ افطاری میں اب محض چند منٹ تھے۔ مرتضیٰ نے سلوئی کے خاموش انداز کو نوٹ کیا، دوسری نگاہ ماں پر ڈالی تو انہوں نے سنجیدگی سے نظریں چرائیں۔ تیسری نگاہ کا مرکز دیا تھی جو نگاہوں کے اس تصادم سے پھیکی پڑ چکی تھی اور اس کے چہرے پر پھیلا پھیکا پن بنا کچھ کہے سنے اسے مجرم ثابت کر گیا۔ مرتضیٰ نے ایک گہری سانس خارج کی اور پلیٹ اپنی طرف کھسکائی۔ دیا نے کھجوروں کی کٹوری اٹھا کر سب کی پلیٹ میں ایک، ایک کھجور رکھی، جگ اٹھا کر سب کے گلاس شربت سے بھرے اور اپنی جگہ پر بیٹھ گئی۔ عین اسی لمحے اذان کی صدا بلند ہوئی۔ چاروں نے دعا پڑھ کر روزہ افطار کیا۔ یوں یہ روزہ انتہائی بوجھل ماحول میں اختتام کو پہنچا۔

☆☆☆

''اتنے شوق سے بچی بیچاری نے افطاری میں اہتمام کیا۔ پوری دوپہر لگی رہی اور پھر نظر ہی کھا گئی اسے۔ کسی سے ڈھنگ سے کچھ کھایا ہی نہیں گیا۔'' عاصمہ بیگم نے کمزور سے لہجے میں بات شروع کی۔ دیا افطاری کے برتن دھو رہی تھی، سلوئی کمرا نشین، مرتضیٰ ماں کی پٹی سے لگے بیٹھے تھے۔ درمیانی دروازے کے پار بچی بیچاری چپک کے کھڑی روداد سن رہی تھی۔

''کیا بات ہوئی ہے؟'' مرتضیٰ نے آہستگی سے پوچھا۔

''چھوڑو بیٹا بس......'' عاصمہ بیگم نے ٹھنڈی آہ بھر کر بات ادھوری چھوڑی تو مرتضیٰ مزید شرمندہ ہوئے۔ کیونکہ اتنا تو وہ بھانپ گئے تھے کہ جو بھی غلط ہوا ہے دیا سے ہی ہوا ہے اور آخر وہ بیوی تو انہی کی تھی۔ اس لیے انہیں شرمندگی تو ہونی تھی۔ وہ بیڈ پر ماں کی پائنتی پر آ بیٹھے اور ان کے پیروں کو دھیرے سے دبا کے بولے۔

''بتائیں ناں دیا کی کوئی بات بری لگی ہے، مجھے بتائیں۔''

''دیا کو کچھ مت کہنا...... اس سے کیا گلہ کرنا...... پرائی لڑکی ہے، سگوں جیسی محبت کیونکر ہو سکتی ہے اسے ہم سے۔ ایسی توقع کرنا ہی بے وقوفی ہے۔ بس سمجھو تم نے سنا اور بھلا دیا۔'' وہ دلگرفتگی سے کہنے لگیں۔

''بہوئیں بھابیوں کو گھر بیٹھی نند برداشت نہیں ہوتی۔ ڈائریکٹ تو کچھ بھی نہیں کہا دیا نے...... لیکن اپنی ماں سے گلے شکوے کر رہی تھی۔ جذبات میں آ کے کچھ آواز اونچی ہو گئی۔ سلوئی تو دوپہر بھر سے کچن میں ہی تھی۔ اس کے کان میں پڑ گئی ساری بات...... دیا بھی ہو گی ہم دونوں سو رہی ہیں۔ بس سوچو پھر...... سلوئی کے دل کا کیا حال ہو گا۔ کتنی مشکل سے تو میں نے اسے چپ کرایا پھر کام میں لگا دیا کہ ذرا ذہن بٹے......'' مرتضیٰ کا سر کچھ اور جھک گیا۔ کچھ شرمندگی کے بوجھ سے اور کچھ ماں اور بہن کی اعلیٰ ظرفی کے بوجھ سے۔ وہ خاموش ہی رہے۔ عاصمہ بیگم کچھ دیر اُن کے تاثرات جانچتی رہیں پھر کچھ سمجھ نہ پائیں تو مزید بولیں۔

''سلوئی تو بچی ہے پھر بھی میں نے کافی سمجھایا ہے۔ موڈ خراب ہے اس کا لیکن بڑی بھابی سے بدتمیزی بالکل نہیں کی اس نے...... دل دُکھنا تو فطری ہے، کل تک سیٹ ہو جائے گی۔ میں آہستہ، آہستہ سمجھا رہی ہوں اسے۔ خود کو بوجھ نہ سمجھنے لگ جائے اس لیے غصہ نہیں کر سکتی۔'' اب کے مرتضیٰ کسی نتیجے پر پہنچ کر مسکرائے اور ماں کا ہاتھ تھام کر ازلی دھیمے پن سے بولے۔

''دیا بھی سمجھ جائے گی آہستہ، آہستہ...... ابھی نئی ہے پھر اس کی عمر بھی کوئی اتنی زیادہ نہیں...... آپ صحیح کہہ رہی ہیں وہ پرائی ہے، نند سے سگی بہنوں جیسی محبت پیدا نہیں کر سکتی لیکن محبت بہرحال ہو جائے گی۔ ضد اور ہٹ دھرمی نہیں ہے اس میں، بات سمجھاؤ تو سمجھ بھی جاتی ہے۔ آپ بڑی ہیں درگزر کر دیا کریں۔ سلوئی چھوٹی ہے اس کے لیے دیا کو سمجھاؤں گا میں۔'' مرتضیٰ نے نہایت سلیقے سے ماں کو قائل کیا۔ عاصمہ بیگم کو مرتضیٰ کا دیا کی حمایت کرنا چبھا تو بہت لیکن پی گئیں۔ دیا چائے کی ٹرے اٹھائے اسی وقت اندر آئی تھی۔ عاصمہ

بیگم کے کمرے میں موجود سینٹر ٹیبل پر ٹرے رکھ کر بیٹھنے ہی لگی تھی کہ مرتضیٰ نے دھیرے سے حکم دیا۔

”سلوی کی چائے اسے بیڈ روم میں دے آؤ۔“

وہ بیٹھنے کے لیے جھکی تھی اور جھکے سے ہی سیدھی ہوگئی۔

”ہونہہ...... مہارانی صاحبہ......“ شدید جلن کو دل میں دبائے وہ مگ اٹھا کر سلوی کے کمرے میں چلی گئی۔ عاصمہ بیگم تسبیح کے دانے گراتی طمانیت سے مسکرائیں۔

”بڑی آئیں خیال رکھنے والی بھابی...... ہونہہ......“ سلوی نے زہر خند سوچوں کے ساتھ دیا کے ہاتھ سے مگ تھام کر سائڈ ٹیبل پر رکھ دیا اور نظریں کتاب پر مرکوز کر دیں۔ دیا بوجھل دل کے ساتھ واپس آ کر مرتضیٰ کے برابر بیٹھ گئی اور اپنا مگ اٹھالیا۔

”بس چلے تو گود میں بیٹھ جائیں میاں کی......“ عاصمہ بیگم نے حسد سے سوچا اور آخری دانہ گرا کر تسبیح تکیے کے نیچے رکھ کر اپنا مگ اٹھالیا۔ مرتضیٰ گہری سوچ میں گم چائے کے سپ لے رہے تھے۔ دیا نے تھک کر کرسی کی بیک سے سر ٹکا دیا۔

چائے کے برتن دھو کر وہ کچن سے نکلی تو عاصمہ بیگم عشا کی نیت باندھ چکی تھیں۔ مرتضیٰ تراویح کے لیے مسجد جا چکے تھے۔ سو وہ بھی تراویح کی نیت سے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ گرمی سے برا حال تھا۔ اس نے الماری سے کپڑے نکالے اور شاور لینے گھس گئی۔ شاور لے کر سکون محسوس ہوا تو عشا کے لیے کھڑی ہوگئی پھر تراویح کے دوران اس کے آنسو امڈ امڈ کر آتے رہے۔ عاصمہ بیگم کی گفتگو کا آخری حصہ اور مرتضیٰ کے کمنٹس وہ چائے لاتے ہوئے سن چکی تھی۔ ایک تو گھر ہی اتنا چھوٹا سا تھا کہ راز اکثر راز نہیں رہ پاتے تھے اور کچھ عورتوں کی ٹوہ لینے والی فطرت اور یہ فطرت ان تینوں عورتوں میں بدرجۂ اتم موجود تھی۔ سچی بات تو یہ ہے کہ یہی عادت دراصل دکھ بڑھانے کا سبب بنتی ہے۔ وہ جو کہتے ہیں ناں کہ آگہی بہت بڑا عذاب ہے تو اگر عورتیں تجسس کرنا، ٹوہ لینا ترک کر دیں تو اس نام نہاد آگہی کے حصول کے لیے ہلکان ہونا چھوڑ دیں تو آدھے سے زیادہ دکھ کم ہو جائیں۔ انہی منتشر سوچوں کے بیچ دیا نے تراویح مکمل کی اور چارٹ کو دیکھ کر اکیس مرتبہ یا قوی پڑھ کر جانماز لپیٹ لی۔ اچانک اسے خیال آیا کہ تمام نمازوں کے بعد جو، جو سورتیں پڑھی جاتی ہیں ان کی پابندی کرنے والی دیا صاحبہ آج مغرب کے بعد سورۂ واقعہ پڑھنا یکسر فراموش کر گئیں۔ وجہ وہی تجسس...... کیونکہ مرتضیٰ اسی وقت مغرب پڑھ کر آئے تھے اور دیا کو لگا اب اس کی ساس کچھ نہ کچھ کہیں گی۔ وہ سب چھوڑ چھاڑ کر کمرے سے نکلی تھی اور اب اسے افسوس ہوا...... اس نے پنج سورہ اٹھایا اور پہلے سورۂ واقعہ کی تلاوت کی پھر سورۂ ملک‘ عبادت میں سکون بہت ہے۔ خواہ ہم پوری توجہ سے نہ بھی کریں۔ اللہ پاک اتنا غفور الرحیم ہے کہ ہماری ادھوری توجہ پر بھی مکمل رحمت سے نوازتا ہے۔ اسے مزہ آنے لگا۔ یوں سورۂ سجدہ، پھر سورۂ یٰسین اور پھر جب سورۂ رحمٰن پڑھی تو یوں لگا کائنات کی گردش تھم گئی۔ ہر طرف سکون پھیل گیا۔ پنج سورہ واپس رکھ کر مڑی تو اسے لگا اب کچھ، کچھ بھوک محسوس ہونے لگی ہے۔ ٹینشن میں افطاری جو ٹھیک سے نہیں کھائی تھی۔ گھر میں صرف عاصمہ بیگم تھیں جو نہایت کم افطاری لیتی تھیں اور کھانا ساتھ ہی کھا لیا کرتی تھیں۔ باقی تینوں تراویح کے بعد کھانا کھایا کرتے تھے۔ اور آج تو عاصمہ بیگم نے بھی کھانا نہیں کھایا تھا۔ ایک بار پھر شام کے سارے واقعات اس کی نگاہوں میں گھوم گئے لیکن اب وہ شانت تھی۔ اسی وقت مرتضیٰ اندر داخل ہوئے۔ ٹوپی اتار کر ریک پر رکھی اور بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے نارمل انداز میں بولے۔

”چلیں جناب ڈنر کے لیے شدید بھوک لگ رہی ہے۔“ ان کے ہلکے پھلکے انداز پر دیا کی جان میں جان آئی۔ اسے مرتضیٰ کی یہی خوبی پسند تھی۔ وہ ماں اور بہن کی کسی بھی بات کا اثر اپنے اور دیا کے تعلق پر نہیں پڑنے دیتے تھے۔ اگر دل میں ان کی شکایت کو درست سمجھتے بھی تھے تب بھی دیا سے سوال جواب نہیں کرتے

تھے۔ نہ ہی گلہ شکوہ، نہ بحث، نہ جھگڑا بلکہ بے حد سبھاؤ سے موقع دیکھ کر چند جملوں میں ایسے انداز سے نصیحت کر دیا کرتے تھے کہ دیا سمجھ بھی جائے اور اس کا دل بھی برا نہ ہوا۔ اس وقت بھی ڈنر خوشگوار ماحول میں کرنے کی خاطر مرتضیٰ نے کوئی بات نہیں کی۔ دیا بھی سمجھ گئی اور مسکراتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔

عالیہ بیگم اپنے کمرے میں ہی تھیں۔ اس نے کچن میں آکر بریانی گرم کرنے رکھی اور برتن ٹرے میں رکھ کر ٹیبل پر سیٹ کرنے لگی۔ فریج سے رائتہ نکالا اور پانی کے جگ کے ساتھ ٹیبل پر رکھ رہی تھی کہ مرتضیٰ کمرے سے نکلے...... پھر جتنی دیر میں اس نے کباب فرائی کیے، بریانی بھی گرم ہوگئی۔ وہ دونوں چیزیں ٹیبل پر رکھ رہی تھی جب اس نے دیکھا مرتضیٰ ماں کا ہاتھ تھامے ٹیبل تک لا رہے تھے۔ وہ فریج سے سلاد نکال کر لا رہی تھی جب اس نے دیکھا اب وہ سلویٰ کے کندھوں کے گرد بازو پھیلائے اسے بھی ٹیبل تک لا رہے تھے۔ سلویٰ کا چہرہ سپاٹ تھا۔ سب نے اپنی، اپنی جگہ سنبھالی تو دیا نے سب کو کھانا سرو کیا پھر خود بھی بیٹھ گئی۔ افطاری کی نسبت کھانا ذرا بہتر ماحول میں کھایا گیا۔

☆☆☆

ڈنر کے برتن دھو کر کچن صاف ستھرا کر کے جب وہ کمرے میں آئی تو مرتضیٰ کو اپنا منتظر پایا۔ وہ ڈریسنگ میں جا کے نائٹ ڈریس پہن آئی۔ مرتضیٰ نائٹ بلب جلا کر لیٹ چکے تھے۔ وہ بھی لیٹ گئی۔ چند لمحوں بعد انہوں نے معمول کی طرح اپنا بازو پھیلایا تو دیا نے اپنا سر اُن کے بازو پر رکھ دیا۔

”میں جانتا ہوں میری دیا بہت سمجھدار اور کیئرنگ ہے۔“ وہ اسے قریب کر کے بولے۔ دیا نے پلکیں اٹھائیں، وہ محبت سے اسے دیکھ رہے تھے۔ چند لمحے یوں ہی دیکھتے رہے جیسے سوچ رہے ہوں کہ بات کے لیے کیا الفاظ چُنے جائیں پھر لمبی بات کہنے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے ایک گہری سانس خارج کی اور بولے۔

”بس اتنا کہوں گا...... احتیاط کیا کرو......“ اور بس گتھی سلجھ گئی۔ دیا کی فون پر کی جانے والی باتیں سلویٰ نے سن لی تھیں، اس خدشے پر تصدیق کی مہر لگ گئی۔ بیک وقت کئی احساسات نے دیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ شرمندگی، دکھ، تاسف، غصہ اور بے بسی ......مرتضیٰ نے ایک نرم مسکان اس کے حوالے کی اور آنکھیں موند لیں۔

”تو یہ تھا رمضان جیسے بابرکت مہینے کا استقبال......“ غنودگی میں جانے سے پہلے یہ آخری سوچ تھی جس نے تمام نفوس کے دماغ کا احاطہ کیا تھا۔ اپنی، اپنی جگہ عاصمہ بیگم، سلویٰ، مرتضیٰ اور......دیا بھی......

☆☆☆

”آپ کے بالکل سامنے جو گھر ہے ناں اس کے اوپر والے پورشن میں کرایے دار رہ کے گئی ہے ان کی فیملی...... نندیں بیاہی گئیں پھر ساس، سسر فوت ہوگئے تو دو میاں، بیوی کو اتنا بڑا بنگلا ضرورت سے سوا ہوگیا۔ اس لیے چھوٹے گھر میں شفٹ ہوگئے۔ پچھلے شوال کی بات ہے۔“ دیا دس بجے کے قریب اٹھ کر آئی تو ڈرائنگ روم میں عاصمہ بیگم کے ساتھ کسی نفیس سی خاتون کو بیٹھے دیکھا۔ سلام کر کے وہ بھی وہیں بیٹھ گئی۔

”ہاں کچھ یاد تو پڑتا ہے لیکن وہ فیملی کسی سے زیادہ میل جول نہیں رکھتی تھی اس لیے ٹھیک سے جانتی نہیں میں۔“ عاصمہ بیگم تسبیح ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل کرتے ہوئے بولیں تو وہ خاتون ہنس دیں۔

”جی تقریباً سارا محلہ یہی بات کہہ رہا ہے۔ اصل میں ساس، سسر گھر کے بڑے ہوتے ہیں، دونوں ہی بیمار تھے۔ مریم ان کی اکلوتی بہو تھی وہ ہمہ وقت خدمت میں جتی رہتی تھی۔ اب جا کے فراغت نصیب ہوئی تو سب نے اسے کہا کہ جو علم حاصل کیا ہے اس کی شمع گھر، گھر پہنچاؤ۔ اولاد کوئی دی نہیں اللہ پاک نے۔ شادی کو چھ برس ہوگئے تو اس رمضان سے مریم نے باقاعدہ آغاز کیا۔“ بات اب کچھ، کچھ دیا کی سمجھ میں آنے لگی تھی۔ رمضان کی وجہ سے خاطر تواضع تو کوئی ہو نہیں سکتی تھی سو وہ آرام سے بیٹھی تھی۔ وہ خاتون اب دیا کو بغور

دیکھ رہی تھیں۔

"یہ بہو ہے آپ کی......؟" انہوں نے پوچھا تو دیا مسکرا دی۔ عاصمہ بیگم نے ہی جواب دیا۔

"جی ہاں، میرا بھی ایک ہی بیٹا ہے ماشاء اللہ دو سال ہوئے شادی کو...... اور بیٹی چھوٹی ہے۔ اصل میں، میں بھی زیادہ آنے جانے کی عادی نہیں اور پھر آپ کا گھر گلی کا پہلا گھر اور ہمارا آخری...... سو بس......" عاصمہ بیگم نے بات ادھوری چھوڑی تو وہ خاتون خوش دلی سے مسکرائیں اور بولیں۔

"کوئی بات نہیں لیکن اب اس نیک مقصد کے لیے ضرور وقت نکالیے گا۔ مریم لوگوں کا محلے میں اگر مجھ سے بھی میل ملاپ تھا تو اس کی واحد وجہ یہ تھی کہ میرا بیٹا عثمان اور مریم کا میاں داؤد بچپن کے دوست ہیں۔ ساتھ پڑھے ہیں یونیورسٹی تک...... اس محلے میں مریم لوگوں کو گھر بھی عثمان کے ذریعے ملا ورنہ ان لوگوں نے بڑا عرصہ سیٹلائٹ ٹاؤن میں گزارا۔ اب فی الحال مریم نے ترتیب کچھ یوں رکھی ہے کہ پہلا عشرہ تو وہ اپنے ہی علاقے میں درس دے رہی ہے گھر پہ آتی ہیں عورتیں دوسرے عشرے کے لیے اس کے سسرالیوں نے اپنے علاقے کا کہا ہے اور آخری عشرے کے لیے میں نے اس سے اپنے محلے کی بات کرلی اسی لیے اس نے محلے والوں کو مطلع کرنے کا ذمہ مجھے ہی دے دیا۔" اندر فون کی گھنٹی بج رہی تھی، سلویٰ شاید باتھ روم میں تھی تو عاصمہ بیگم معذرت کر کے اٹھ گئیں۔ دیا نے آدابِ میزبانی آگے بڑھاتے ہوئے گفتگو جاری کرنے کی غرض سے پوچھا۔

"مریم، جن کا آپ ذکر کر رہی ہیں، کوئی عالمہ ہیں؟" وہ خاتون مسکرائیں۔ غالباً خاصی ہنس مکھ تھیں ہر جملے سے پہلے یا ہنستی تھیں یا مسکراتی تھیں۔

"ہاں بیٹا، شادی سے پہلے بی اے کے بعد عالمہ فاضلہ کا کورس کیا پھر کئی مدرسوں میں پڑھایا۔ شادی کے بعد بھی چند سال پڑھاتی رہی پھر ساس، سسر کی بیماری اور نندوں کی شادیوں کے سلسلوں میں جاب چھوڑنی پڑی۔ اب سب پھر سے اصرار کر رہے ہیں۔ بہت ہی باعمل بچی ہے ماشاء اللہ...... نندیں تعریف کرتی ہیں، ساس، سسر راضی خوشی دنیا سے گئے ہیں۔ اس رمضان سب نے اس سے اصرار کیا کہ درس کا اہتمام کرے، داؤد اس کا زیادہ باہر نکلنا پسند نہیں کرتا لیکن اس مقصد کے لیے اس نے فی الحال اس شرط پر اجازت دی ہے کہ وہ روز بس ایک گھنٹا درس دے گی اور رمضان کے بعد اپنے گھر پر ہی اہتمام کرے گی۔ جسے طلب ہے وہ وہیں جائے۔ ماشاء اللہ شرعی پردہ کرتی ہے اور وہ خود بھی اس بات کا خیال رکھتی ہے کہ بلاوجہ گھر سے نکلنے سے گریز کرے۔" دیا کو بے اختیار رشک آیا۔ اس نے پکا فیصلہ کرلیا کہ وہ ضرور یہ درس اٹینڈ کرے گی جو مریم اُن خاتون ہی کے گھر آ کے دے گی۔ رخصت ہوتے وقت انہوں نے ایک بار پھر...... بے حد اصرار سے عاصمہ بیگم کو کہا۔

"عاصمہ بہن، میری گزارش ہے محض ایک گھنٹا اپنے قیمتی وقت میں سے نکال کر اس وقت کو مزید قیمتی بنانے درس میں ضرور آیئے گا اور بچیوں کو بھی لایئے گا۔ بچیوں کے لیے تو ایسے درس بے حد فائدہ مند ہوتے ہیں۔" وہ رخصت ہوگئیں اور عاصمہ بیگم کو نئی سوچ عطا کر گئیں۔

"نیک، باپردہ، فرمانبردار، خدمت گزار بہو اور بھابی، نندیں، ساس، سسر راضی خوش، ہر جگہ چرچا، دیا کو تو ضرور ہی لے جاؤں گی درس میں۔ کچھ گن تو ہماری بہو میں بھی آئیں۔" انہماک سے صفائی کرتی دیا کو دیکھتے ہوئے عاصمہ بیگم گہری سوچ میں گم تھیں۔

دوسری جانب دیا بھی اسی سوچ میں مدغم تھی کہ کس طرح درس میں جایا جائے۔

"صبح گیارہ سے بارہ کا وقت ہے۔ صفائی ستھرائی میں تقریباً گھنٹا لگتا ہے۔ دس کے بجائے اگر میں نو بجے اٹھ جایا کروں...... دس بجے تک صفائی سے فارغ ہو کر اپنا حلیہ درست کر کے آرام سے گیارہ بجے درس کے لیے جانا ممکن ہے۔" دونوں ساس، بہو تانے

بانے بن رہی تھیں۔

اس روز کی تلخی کے بعد سے دیا بھی کافی محتاط ہوگئی تھی اور عاصمہ بیگم اور سلوی کا مزید خیال رکھنے کی کوشش کرنے لگی تھی۔ عاصمہ بیگم بھی کافی حد تک بھول گئی تھیں لیکن سلوی نے اب تک بات دل میں رکھی ہوئی تھی۔ بات تو کرلیتی تھی لیکن بس ضرورت کے تحت...... کچھ وہ پہلے سے ہی کم گو تھی۔ یوں چار پانچ روزے تو خیریت سے گزر گئے تھے۔ آج ساتواں روزہ تھا جو یہ خاتون درس کا بلاوا دینے آئی تھیں اور سوچ کے نئے در وا کرگئی تھیں۔ ہنڈیا بنانے کے لیے اٹھنے تک عاصمہ بیگم درس اٹینڈ کرنے کا مصمم ارادہ کرچکی تھیں۔

دیا نے اچھی طرح چادر اپنے گرد لپیٹی اور پرس اٹھا کر کمرے سے نکلی۔ مرتضیٰ ماں کے پاس کچن میں کھڑے تھے۔ اسے آتا دیکھ کر چابی اٹھائی اور نکل گئے۔ وہ بھی ساس کو جانے کا بتا کر نکل آئی۔ آخری عشرے میں عید کی تیاریوں کے باقی کام بھی بہت ہوتے ہیں اور اس بار درس ایک اضافی مصروفیت کے طور پر سامنے آیا تھا اس لیے عاصمہ بیگم نے فیصلہ کیا کہ عید کی شاپنگ دوسرے عشرے میں ہی مکمل کرلی جائے۔ وہ خود سلوی کو لے کر الگ سے شاپنگ پر جایا کرتی تھیں۔ ایسے معاملات میں وہ دیا کو ہمیشہ الگ رکھا کرتی تھیں۔ سو دیا کی شاپنگ کی ذمے داری مکمل طور پر مرتضیٰ کے سر ہوتی تھی۔ اس وقت بھی وہ دونوں شاپنگ کے لیے ہی نکلے تھے۔ عاصمہ بیگم ہانڈی چڑھا رہی تھیں۔ مرتضیٰ نے چند گھنٹوں کے لیے شاپ کی ذمے داری منیجر کو سونپی تھی۔ یہ اوقات شاپنگ کے لیے مرتضیٰ کو موزوں لگتے تھے کیونکہ افطاری کے بعد شاپنگ کرنے میں تراویح رہ جانے کا خدشہ رہتا ہے پھر ان اوقات میں بازار میں بھی بے پناہ رش ہوجاتا ہے سو تفصیلی شاپنگ وہ دن میں کیا کرتے تھے اگر آخر میں کوئی ایک آدھ آئٹم رہ جاتا تو اس کے لیے افطاری کے بعد نکلنے میں کوئی حرج نہیں ہوتا تھا۔ مرتضیٰ اور دیا کے گھر سے نکلتے ہی سلوی بی بی بھی کمرا نشینی چھوڑ کر باہر نکل آئیں۔

''چلی گئیں مہارانی صاحبہ......؟'' سلوی نے کچن کے دروازے سے ٹیک لگاتے ہوئے ماں کو دیکھا۔

''ارے ہاں بھئی، پوچھ رہی تھی آپ نے کچھ منگوانا ہو تو بتادیں۔ میں نے کہا نہیں ہمیں کچھ نہیں چاہیے۔'' وہ طنزیہ ہنسی ہنستے ہوئے بولیں۔

''ہونہہ...... چاپلوسیاں، اچھا دفع کریں...... یہ بتائیں ہم کب جائیں گے عید کی شاپنگ کرنے؟'' وہ اشتیاق سے بولی تو عاصمہ بیگم نے ہنڈیا بھونتے ہوئے بیزاری سے اسے دیکھا۔

''تمہارے بھائی صاحب اپنی دلہن رانی کو تو شاپنگ کرالائیں پھر ہمارا خیال آئے گا۔ ہم کون سا خود کماتے ہیں۔ بیٹے نے چند پیسے دے دیے تو لے آئیں گے جو کچھ اس میں آسکا۔'' سلوی نے اسٹول گھسیٹا اور کچن میں ہی بیٹھ گئی۔ موضوعِ گفتگو نے گرمی کے احساس سے دور کردیا تھا۔

''ہاں یہ بھی ٹھیک ہے، پہلے بھابی کی شاپنگ دیکھ لیں پھر اپنی کریں گے۔ بھابی پر تو بھائی دل کھول کے روپیہ لگاتے ہیں۔ آپ صحیح کہہ رہی ہیں کہ ہمارے لیے تو جتنا دے دیا اسی میں لے آئیں گے جو بھی آسکا۔'' سلوی نے بھی ناشکری کی حد کردی۔ حالانکہ مرتضیٰ اگر بیوی پہ دل کھول کے خرچ کرتے تھے تو اتنا ہی کھلا ماں اور بہن پہ بھی خرچ کرتے تھے۔ اب اگر وہ مرتضیٰ کے ساتھ چلی جایا کرتیں تو جتنا کھلم کھلا خریداری کرتیں مرتضیٰ ہی پے منٹ کرتے جاتے لیکن چونکہ پرائیوی برتنی ہوتی تھی تو ایسے میں مرتضیٰ اندازے سے ہی رقم دے سکتے تھے۔ گو کہ عاصمہ بیگم انتہائی چالاکی سے کافی رقم بچا بھی لیتی تھیں پھر بھی ظاہر یہی کرتی تھیں کہ سب کچھ ہاتھ کھینچ کر خریدا گیا ہے۔

ان دونوں کو گئے تین گھنٹے ہونے کو آئے تھے۔ ہنوز واپسی نہیں ہوئی تھی۔ عاصمہ بیگم کا طیش کے مارے برا حال تھا اور سلوی کا حسد کے مارے......

''اللہ جانے پورا بازار خریدنے کھڑی ہوگئی ہیں یا کیا بات ہے۔''

''آپ فون ملائیں ناں بھائی کو......'' سلویٰ نے مشورہ دیا تو ان کے دل کو لگا۔ ابھی ریسیور اٹھایا ہی تھا کہ مرتضیٰ کی گاڑی کا ہارن بجا...... انہوں نے ریسیور واپس رکھ دیا۔

''اچھا ہوا ملایا نہیں تھا فون...... ورنہ بہو رانی کے ماتھے پر جو بل آجاتے تو افطاری تک دور نہ ہوتے۔ دیکھا تھا ناں اس دن...... غلطی بھی اپنی تھی اور کیسے ڈنر تک منہ بنائے رکھا تھا۔'' مبالغہ آرائی کی حد ختم تھی عاصمہ بیگم پر۔

''دیکھنا کیسے لتے لیتی ہوں میں۔'' اتنا ہی کہا تھا کہ سلویٰ نے اشارہ کیا کہ دونوں اندر آچکے ہیں۔ وہ خاموش ہوگئیں۔ مرتضیٰ اور دیا شاپرز سے لدے پھندے جب عاصمہ بیگم کے کمرے میں داخل ہوئے تو انہوں نے جھٹ سے قرآن پاک کھول لیا۔ سلویٰ بے نیاز بنی اپنے کمرے میں گھس گئی۔ دیا کا خوشی سے جگمگاتا چہرہ یک دم بجھ گیا۔ وہ جتنے جوش سے اندر داخل ہوئی تھی اتنے ہی بکھرے ہوئے سے انداز میں کرسی پر ڈھے سی گئی۔ مرتضیٰ نے بھی صورتِ حال کی کشیدگی بھانپ لی لیکن مرد خوش قسمت ہوتے ہیں۔ جھٹ سے بولے۔

''اچھا بھئی مینجر کا دو مرتبہ فون آچکا ہے میں تو چلا...... شام کو ملاقات ہوتی ہے پھر...... اللہ حافظ......'' کہہ کر چلتے بنے، پیچھے رہ گئی دیا بیچاری...... شاپرز وہیں عاصمہ بیگم کے بیڈ پر چھوڑ کے وہ چادر اتارنے کمرے میں چلی گئی۔ واپس آکے ساس کے کمرے میں ہی ظہر پڑھی۔ نماز مکمل کر کے سلام پھیرا تو بالآخر عاصمہ بیگم نے قرآن پاک رکھ دیا۔

''ظہر تو بس قضا ہی ہونے لگی تھی۔ میں نے سمجھا بازار ہی میں نماز بھی پڑھنے لگے ہو تم لوگ......'' انہوں نے طنز کیا۔ دیا پھیکی سی ہنسی ہنس دی۔

''بس اصل میں رش بے تحاشا تھا۔ اب تو لوگ دن میں بھی نکلتے ہیں اور رات میں بھی۔ ہم سمجھتے رہے کہ دن میں بازار خالی ملے گا۔'' وہ ڈھیٹ بن کر بولی۔ اور یہ بات بھی اس کے خلاف ہی ہوگئی۔

''ارے ہاں بھئی سب پیسے کے کھیل ہیں۔ چار پیسے ہاتھ میں آجائیں تو بازار نکل پڑتے ہیں لوگ...... پھر ایک چیز تو لیتے نہیں، میچنگ کے نام پر ہزاروں آئٹم بھرے پڑے ہیں بازار میں اور لینے والیاں دیوانوں کی طرح خریدے جاتی ہیں۔'' عاصمہ بیگم اپنے مخصوص طنزیہ لہجے میں بولیں۔ دیا کہہ کر پچھتائی پھر ان کی بات کا اثر زائل کرنے کے لیے اٹھی اور شاپرز کھولنے لگی۔

''تمہارا مطلوبہ سامان مل گیا تمہیں؟'' انداز اب بھی طنزیہ تھا۔

''جی بالکل...... اصل میں مرتضیٰ کی بھی تو شاپنگ تھی ناں اور پھر مردوں کے لیے تو الگ ہی شاپس ہیں۔'' اور عاصمہ بیگم مزید تپ گئیں۔

''تو اپنی شاپنگ مرتضیٰ بعد میں خود کرتا رہتا۔ اس وقت تمہاری شاپنگ ضروری تھی، وہ مکمل کرنی چاہیے تھی۔'' ایک بار پھر دیا اپنی ہی کہی بات پر پچھتائی۔ اس بار اسے تھوڑا سا غصہ بھی آگیا تو وہ ہنس کر کہنے لگی۔

''میری پسند سے لینا چاہ رہے تھے ناں مرتضیٰ اس لیے آج ہی لے لیا۔ اب ظاہر ہے میں نے اپنی ساری شاپنگ ان کی پسند سے کی تو انہیں اصولاً میری پسند سے کرنی چاہیے تھی۔'' اور بس عاصمہ بیگم تو خاک ہی ہوگئیں۔ طیش کے مارے ایک لفظ بھی ان کے منہ سے ادا نہ ہوسکا۔ موقع غنیمت جان کر دیا نے شاپنگ کا سامان نکالنا شروع کیا۔ اب اس کے دل میں ٹھنڈ پڑ چکی تھی۔ پھر عاصمہ بیگم آخر تک ایک لفظ بھی نہ بولیں۔

فل بلیک لان کا ڈیزائنر سوٹ، میچنگ کی بے حد اسٹائلش بلیک سینڈل، میچنگ پرس، جیولری، عاصمہ بیگم کا رنگ بھی اتنا ہی سیاہ پڑتا جارہا تھا۔ اس کے بعد مرتضیٰ کا بلیک اسٹائلش ڈیزائنر کرتا شلوار، بلیک جوتے، کمرے میں گویا بلیک کلر کا راج ہوگیا۔ اس قدر

میچنگ پہ عاصمہ بیگم پھٹ ہی پڑیں۔
''یہ کیا ہر چیز بلیک اٹھا لائے۔ عید خوشی کا دن ہوتا ہے، شادی کو بھی ابھی عمر تو نہیں گزر گئی، ہر چیز میں کالا سیاہ رنگ دیکھو بھلا کوئی تک ہے۔'' بولتے، بولتے وہ یک دم رک گئیں۔ دیا ایک اور سوٹ نکال رہی تھی۔
''کیا دو سوٹ لائی ہو عید کے لیے؟'' انہیں لگا وہ بے ہوش ہو جائیں گی۔ دیا بھرپور انداز سے مسکرائی۔ اتنا واویلا سن کر سلویٰ بھی باہر نکل آئی تھی۔ اس سے بھائی، بھابی کی میچنگ دیکھے بنا رہا نہیں گیا اور عین اسی لمحے دیا نے وہ سوٹ نکالا جسے دیکھ کر سلویٰ کی تو آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔
سی گرین اور وائٹ کنٹراسٹ میں بے حد اسٹائلش ڈیزائنر ویئر جو بلاشبہ کسی بھی طرح دیا کے بلیک سوٹ سے کم نہیں تھا۔ دیا دونوں کی نظروں میں۔۔۔ بے تحاشا ستائش دیکھ کر فاتحانہ مسکرائی۔ زبان سے تو یہ لوگ کبھی مر کے بھی تعریف نہ کرتیں۔ اسی لیے وہ پہلے نہیں بولی۔ عاصمہ بیگم کا تو تحیر اور پریشانی کے مارے منہ ہی بند نہیں ہو رہا تھا۔ تب دیا بولی۔
''یہ تمہارے لیے ہے سلویٰ!'' کہہ کر اس نے سوٹ سلویٰ کی طرف بڑھایا۔ چند لمحے سلویٰ نے ہاتھ ہی نہیں بڑھایا پھر جیسے یقین و بے یقینی کے بیچ جھولتے ہوئے اس نے ہچکچاتے ہوئے سوٹ تھام لیا۔
''میرے لیے......؟'' انداز میں اب بھی۔۔۔ بے یقینی تھی۔ دیا بھرپور طریقے سے مسکرائی۔ عاصمہ بیگم سارا طیش بھول کر قدرے شرمندہ سی ہوئیں۔
''ہاں سلویٰ، ویسے تو تم لوگ اپنی شاپنگ خود کرتے ہو لیکن اپنا سوٹ پسند کر کے جب میں مڑی تو اس سوٹ کو دیکھتے ہی تم میرے ذہن میں آئیں۔ بس میں تو بضد ہو گئی۔ حالانکہ انہوں نے بہت کہا کہ سلویٰ اپنی پسند سے لیتی ہے لیکن میرا دل نہیں چاہا کہ یہ سوٹ چھوڑ دوں۔ سو میں نے کہہ دیا کہ کوئی بات نہیں اس بار میری پسند سے پہن لے گی۔ پھر بھی اگر اسے پسند نہ آیا تب وہ دوسرا لے لے...... یہ میں لے لوں گی...... تو پھر پسند آیا؟'' آخر میں اس کا لہجہ شرارتی ہو گیا...... سلویٰ قدرے جھینپ گئی۔
''نہیں، نہیں بھابی، بہت پیارا ہے۔'' عاصمہ بیگم نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ یہ سچویشن ان سے ہضم نہیں ہو رہی تھی پھر سلویٰ کو کچھ شرمندگی محسوس ہوئی تو پوچھنے لگی۔
''اور اپنی شاپنگ دکھائیں ناں آپ......'' دیا خوشی، خوشی اسے سب چیزیں دکھانے لگی۔ وہ بھی دل کھول کے تعریفیں کر رہی تھی۔ عاصمہ بیگم نے یکلخت سوٹ سلویٰ کے ہاتھ سے جھپٹا اور تنقیدی نگاہوں سے جائزہ لینے لگیں۔
''کتنے میں آیا یہ سوٹ......؟ تم تو لگ رہا ہے مرتضیٰ کا بٹوا سارا جھونک آئی بازار میں۔'' دیا کو ان کی جھنجلاہٹ خوب مزہ دے رہی تھی جبکہ سلویٰ ذرا سا کھسیا گئی۔ دیا محض قہقہہ لگا کر ہنس دی اور چیزیں سمیٹنے لگی۔
''چلو یار اب ریسٹ کروں گی بری طرح تھک گئی، روزہ بھی لگنے لگا ہے اب تو...... بس گھنٹا بھر ہی ہے آرام کرنے کو...... پھر افطاری کی تیاری کرنی ہے۔'' وہ شاپر اٹھا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ عاصمہ بیگم کو اس کی شوخیاں ایک آنکھ نہیں بھا رہی تھیں۔ سلویٰ پھر سے اپنے خول میں بند ہو چکی تھی، مبادا ماں سے کھری، کھری سننی پڑ جائے کہ بھابی کے سوٹ دینے پر ریجھ گئیں۔ دیا نے کمرے میں جا کر دروازہ بند کیا اور عاصمہ بیگم شروع ہو گئیں۔
''اللہ جانے کتنا پیسہ اڑا آئی یہ فتنی...... اور چالاکیاں دیکھو...... سلویٰ یہ تمہارے لیے......'' عاصمہ بیگم نے ناک چڑھا کر دیا کی نقل اتاری تو سلویٰ ہنس پڑی۔
''ہمارے ہی بیٹے کے پیسے سے خرید کر ہم پہ ہی احسان...... پسند آ گیا تو لے لیا...... دیکھو بھلا...... کیسے کہہ دیا صاف منہ پہ کہ ویسے تو آپ لوگ اپنی شاپنگ خود کرتے ہیں، ہونہہ...... کیا تم اپنی شاپنگ خود نہیں کرتیں؟ تو ہم پہ کاہے کا اعتراض......'' عاصمہ بیگم کو کسی پل قرار نہیں آ رہا تھا۔ انہیں لگ رہا تھا بہو...

خود مختاری کا رعب جما رہی ہے۔
''چھوڑیں بھی امی...... دیکھیں تو سہی کتنا قیمتی اور اسٹائلش سوٹ ہے۔'' سلویٰ نہ شدہ قمیص کو پھر سے کھول کر پھیلا کے بیٹھ گئی تو عاصمہ بیگم نے قمیص کا کونا پکڑ کے پرے جھٹکا۔

''ارے جاؤ...... ان ڈھکوسلوں سے تم بہلو...... تم تو بے وقوف ہو، جانتی نہیں ہو اپنی چلتر بھابی کا اصل مقصد......'' قمیص کو دوبارہ سے تہ لگاتی سلویٰ کے ہاتھ رک گئے۔

''کیا مطلب امی جی...... کیسا مقصد؟'' وہ الجھی۔
''آج ایک سوٹ لائی ہے کل کو جوتے بھی لائے گی پھر کبھی میرے لیے بھی لے آئے گی یوں کرتے، کرتے خریداری پہ اپنا تسلط جمائے گی اور میاں پہ دھاک بٹھا کے گھر کا خرچہ اپنے ہاتھ میں لے لے گی۔ ہمیں مکھی بنا کر دیوار سے چپکا دے گی۔ سمجھا کر میری بھولی بچی یہ چاہتی ہے وہ کہ بس خود مختار ہو جائے اور ہم اس پر انحصار کرنے لگ جائیں۔''
''اوہ...... امی آپ تو واقعی کتنی عقلمند ہیں، مجھے تو یہ بات ہے اتنی سمجھ ہی نہیں۔'' سلویٰ یک دم پریشان سی ہو گئی۔

''اپنے لیے دیکھو میچنگ کے نام پر کیا کچھ اٹھا لائی ہے۔ اب مرتضیٰ صرف میرے سوٹ اور تیرے جوتوں کے پیسے پکڑا دے گا۔ باقی تیری جیولری، پرس میک اپ سب دھرا رہ جائے گا۔ ایک سوٹ مہنگا لا کے سر پر احسان دھرا سو الگ اور باقی چیزوں کا خرچہ بچا وہ اس کی اپنی جیب میں۔'' سلویٰ گم صم ماں کی دور اندیشی سے مستفید ہو رہی تھی کہ یک دم اس کے ذہن میں ایک کوندا سا لپکا۔

''اور امی......'' وہ بیٹھے سے کھڑی ہو گئی۔
عاصمہ بیگم جو اَب لیٹنے لگی تھیں پھر سے سیدھی ہو گئیں۔
''کیا ہوا؟''

''یہ سوٹ؟'' سلویٰ کا انداز کھویا، کھویا سا تھا۔
''یہ سوٹ بھی کیا پتا پیکج میں ملا ہو...... یعنی وہ جو

اجنبی کیوں؟

میں کیوں رنجور رہتی ہوں
تھکن سے چور رہتی ہوں
کبھی آ کر ملا بھی کر
کوئی مجھ سے گلہ بھی کر
جو کچھ بھی پاس ہے میرے
مری جاں نام ہے تیرے
مجھے پھر چوم کر ساجن
اتارو ہاتھ سے کنگن
خموشی ساز بن جائے
تری آواز بن جائے
جو دل کہتا ہے کہنے دو
بہیں آنسو تو بہنے دو
خدارا اب نہ شرماؤ
چھپے کیوں ہو نظر آؤ
تمہارے ساتھ رہنا ہے
سب ہی دکھ درد سہنا ہے
تو یہ بیگانگی کیوں ہے
ہر اک شے اجنبی کیوں ہے

کلام، پروفیسر سیما سراج

آج کل ہر بوتیک میں چل رہا ہوتا ہے ایک سوٹ کے ساتھ ایک فری...... تو کیا پتا یہ سوٹ بھی فری......'' ایک لمحے کو تو عاصمہ بیگم کا بھی منہ کھلا رہ گیا پھر جیسے غصہ نئے سرے سے عود کر آیا۔

''ہوں...... ہونہ ہو سلویٰ یہ پیکج کا ہی سوٹ ہو گا۔ میں بھی کہوں بہو بیگم کو یکا یک اتنی محبت کہاں سے پھوٹ پڑی۔ ہونہہ...... دیکھی چالبازیاں، مکار عورت نہ ہو تو......'' سلویٰ بھی دل کی بھڑاس نکالنے لگی اور......

اپنے کمرے کے دروازے کے پیچھے کمر ٹکائے آگہی کے لیے ہلکان ہوتی دیا مرتضیٰ کے آنسو لڑیوں کی صورت رواں تھے۔ سامنے بیڈ پر پڑے عید کی شاپنگ کے شاپرز بکھرے توجہ کناں تھے۔ کچھ ہی دیر پہلے ساس

کی جھنجلاہٹ سے لطف لینے والی اب اپنے بارے میں اعلیٰ درجے کی بدگمانی بھری باتیں سن، سن کر سسک رہی تھی کیونکہ وہ بہو تھی۔ بے بس، لاچار......

☆☆☆

اس کے بعد بہت سے روزے اسی بیزاری اور بوجھل پن کے زیرِ اثر گزرے...... سلوٰی پھر سے کھنچی، کھنچی رہنے لگی، عاصمہ بیگم دھوپ چھاؤں اور دیا...... بے حس، ٹھس......

برکتوں اور رحمتوں سے بھرے ماہِ رمضان کو انسانوں نے کن سیاستوں اور بدگمانیوں کی نذر کر دیا ہے کہ اب وہ لطف ہی نہیں آتا۔ آج ہم کہتے ہیں کہ جو ہمارے بچپن کا رمضان تھا اور جو ہمارے بڑوں کے بچپن کا رمضان تھا، جو تہوار تھے وہ کہیں کھو گئے ہیں۔ ہم یہ نہیں سوچتے کہ وہ بڑے بھی تو کہیں کھو گئے ہیں، آج ہم نے اپنے گھروں کو جو سیاسی اکھاڑا بنا کے رکھ دیا ہے تو فرشتے بھی دس گز دور سے گزرتے ہوں گے ہم جیسوں کے گھروں سے۔ کہاں سے آئیں رحمتیں اور برکتیں۔ جب دلوں میں بدگمانی، نفرت اور حسد کے پودے نمو پا رہے ہوں۔ کہاں سے قبول ہوں تہجد، نمازیں، قرآن اور تسبیحات، جب ہماری نمازوں میں بھی دوسروں کے خلاف پلان بنائے جا رہے ہوتے ہیں، لبوں پر نماز اور ذہن میں بغض بھری سوچیں، لبوں پر تسبیح و درود اور ذہن و دل میں چھڑی نفرت کی جنگ...... رحمتوں کی جگہ ہی کہاں بچتی ہے؟ چاروں نفوس کی عبادات اپنی جگہ قائم و دائم تھیں پھر بھی دلوں کو سکون نصیب نہیں ہو رہا تھا۔ اب دیا بھی لیے دیے رہنے لگی تھی۔ مرتضیٰ خاموشی سے تجزیہ کر رہے تھے، عاصمہ بیگم بے نیازی کا چولا پہنے رہتیں اور سلوٰی ازلی معصومیت کا...... ہاں، بیٹی اپنی شاپنگ ایک ایسے دن میں جا کے کرا آئی تھیں جب صبح کے اوقات میں دیا چند گھنٹوں کے لیے میکے گئی تھی۔ بس وہی چند گھنٹے غنیمت جان کر دونوں اپنی شاپنگ کر لائیں اور الماریوں میں چھپا کے رکھ دی۔ دیا کو اندازہ ہو گیا تھا لیکن نہ اس نے پوچھا نہ ان دونوں نے منہ سے بھاپ نکالی۔ عجیب بے حسی تھی جس نے دیا کے وجود کا احاطہ کر رکھا تھا، وہ خود بھی وجہ جاننے سے قاصر تھی۔

☆☆☆

دھاگوں کے نفیس سے کام والا لان کا سفید سوٹ زیب تن کیے، چادر نما لمبا چوڑا وائٹ دوپٹا اچھی طرح لپیٹ کے دیا نے سفید جوتی پاؤں میں ڈالی اور کمرے سے نکل کر لاؤنج میں آ گئی۔ عاصمہ بیگم بادامی رنگ کا بریزے کا سوٹ پہنے تیار بیٹھی تھیں۔

مرتضیٰ شاپ پہ جا چکے تھے، دیا نے لاؤنج میں آ کے پرس ٹیبل پر رکھا اور سینڈل کا اسٹریپ بند کر رہی تھی کہ سلوٰی کمرے سے نکلی...... ٹی پنک سادہ مگر نفیس سا سوٹ پہنے دوپٹا پھیلائے سر پر اسکارف لپیٹے وہ بھی تیار تھی۔ آج اکیس رمضان المبارک تھی۔ مریم داؤد کے درس کا پہلا دن......

☆☆☆

''ہر انسان کی شکل صورت و ہیئت ظاہری دوسرے انسان سے قطعی مختلف ہوتی ہے، جب ظاہر مختلف ہے تو باطن بھی ہوگا...... آپ یہاں جتنی خواتین بیٹھی ہیں ہر ایک کا مزاج دوسری سے مختلف ہوگا، گھر کا ماحول، رہن سہن، زبان، پسند ناپسند غرض ہر چیز دوسرے سے یکسر مختلف ہوگی۔ کچھ باتیں اگر یکساں ہوں بھی تب بھی تمام یکساں نہیں ہوسکتیں۔ تو سوچیں کہ اتنا کچھ مختلف ہونے کے بِنا پر ایک دوسرے کے خلاف طبع بات ہونا بھی ممکن ہے ناں......؟ اور خلاف طبیعت بات پہ اگلے کو تکلیف پہنچنا بھی لازم ہے۔ آپ سب مانتی ہیں ناں......؟ بس یہی زندگی کی حقیقت ہے اور اسی میں حُسن بھی ہے۔'' سیاہ ڈھیلا ڈھالا عبایا زیب تن کیے سیاہ چادر کے ہالے میں دھلا دھلایا شفاف چہرہ لیے انتہائی نرم اور پُراثر انداز کی یہ شخصیت مریم داؤد کی تھی۔ اس کی بات پہ عاصمہ بیگم اور دیا کی نظریں بے اختیار ملیں اور اختیاری طور پر چرا لیں۔

''سو اگر آپ چاہیں گی کہ آپ کا بیٹا سو فیصدی

آپ کی مرضی وخواہش کے تابع ہو جائے تو یہ ناممکن ہے اگر آپ چاہیں گی کہ آپ کی بیٹی کا مزاج آپ کے مزاج کے مطابق ہو جائے، ناممکن ہے...... اگر آپ چاہیں گی کہ آپ کے شوہر، باپ، بھائی، بہن، بہو، کوئی بھی رشتے دار آپ کے مزاج اور شخصیت کے مطابق ہو جائے تو میری پیاری بہنو! ایسا ناممکن ہے اور اگر آپ ایسا چاہتی ہیں تو آپ غلطی پر ہیں۔'' مریم نے ذرا توقف کیا تو عورتیں معنی خیز انداز میں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔ مریم نے روایتی درس کے بجائے ایسے موضوعات چنے تھے جو گھریلو مسائل سے متعلق اور جو عورتوں کے مسائل سے متعلق ہوتے ہیں سو اس کی ہر دوسری بات کسی نہ کسی عورت پر صادق آرہی تھی اور جو عورتیں گھر والوں کے ہمراہ آئی تھیں وہ پہلو پہ پہلو بدلے جا رہی تھیں اور ان ہی میں سے ایک عاصمہ بیگم بھی تھیں۔

☆☆☆

''جب آپ چار پانچ لوگ اکٹھے رہتے ہیں تو تکالیف بھی پہنچتی ہیں اس لیے یہ سوچ کر ساتھ رہیں کہ ہم ساتھ رہیں گے تو تکلیف بھی پہنچے گی اور اس پر صبر کرنا پڑے گا اور اگر صبر نہیں کریں گے تو حدیث کا مفہوم ہے کہ آپس کے جھگڑے، نفرتیں اور ناچاقیاں دین کو مونڈنے والی چیزیں ہیں کیونکہ نفرت کی وجہ سے جھگڑے ہوتے ہیں، جھگڑوں کے نتیجے میں انسان غیبت، بہتان اور ایذا رسانی جیسے گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اور نتیجتاً انسان دین سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔''

''یہی سب تو ہو رہا ہے ہمارے گھر میں بھی۔'' یہ مشترکہ سوچ تھی، عاصمہ بیگم، دیا اور سلوی تینوں کی۔ اس مشترکہ سوچ کے زیر اثر گویا کوئی ٹیلی پیتھی تھی جس نے تینوں کی نظروں کو باہم ملایا۔ تینوں کی نگاہوں میں شرمندگی تھی۔

''اب آپ سوچ رہی ہوں گی کہ ایسی صورت میں ہم کریں تو کیا کریں...... میں آپ کو بتاتی ہوں، جب آپ کو کسی سے کوئی گلہ محسوس ہو، بدگمانی ہونے لگے تو اس بات کو لے کر نہ بیٹھ جائیں، دنیا میں کوئی انسان مکمل نہیں...... صرف یہ سوچ لیں کہ سو اچھائیاں اگر خود آپ میں موجود ہیں تو ہزار برائیاں بھی ہوں گی اور جس سے آپ کو نفرت محسوس ہو رہی ہے اگر ہزار برائیاں اس میں ہیں تو سو اچھائیاں بھی تو ہوں گی۔ زندگی میں کبھی نہ کبھی تو اس نے آپ سے محبت کا کوئی برتاؤ بھی کیا ہی ہوگا۔ بس اسے یاد کر لیا کریں۔ اس کی اچھائی کا تصور کریں گے تو برائی میں کمی محسوس ہونے لگے گی۔''

''کچھ بھی ہے خدمت تو کرتی ہے دیا...... دیکھا جائے تو سلوی تو زیادہ تر کمرے میں ہی رہتی ہے۔ میری بری بھلی بھی ہنس کے سنتی ہے پھر بھی کام کاج کراتی رہتی ہے۔'' یہ سوچ عاصمہ بیگم کی تھی۔ مریم کی بات کے زیر اثر دماغ میں آنے والی پہلی، پہلی خوبی جو دیا میں انہیں نظر آئی۔

''ایک بات تو ہے، جتنا مرضی مرتضیٰ کو بھڑکا لیں لیکن ٹپیکل ساسوں کی طرح جھگڑے نہیں کرتیں امی، نہ ہی سلوی نے کبھی بدتمیزی کی۔'' یہ دیا تھی۔

''ماننا پڑے گا، بھابی جیسی بھی ہیں اندازہ ہوتا ہے کہ بھائی کو ہمارے خلاف بھڑکاتی نہیں ہیں نہ ہی کبھی جھگڑا کرتی ہیں۔'' یہ سلوی تھی اور یہ تین ہی کیا...... وہاں موجود تقریباً ہر عورت ہی کے دل پر پڑے قفل کھلتے جا رہے تھے۔ ملبے تلے دبا سسکتا ہوا ضمیر منظر عام پر آنے لگا تھا، کچھ اس کی آواز بھی سنائی دینے لگی تھی۔ ہر کوئی اپنی ذات کے احتساب میں مگن تھا اور مریم کہہ رہی تھی۔

''آج کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ہمیں بات، بات پہ شکوے شکایات کرنے کی عادت پڑ گئی ہے جو ناشکری کا دروازہ ہے۔ ہمیں یہ نہیں ملا، وہ نہیں ملا، اسے ہم سے زیادہ مل گیا، اس نے یہ نہیں دیا، وہ نہیں کیا، ایسے کہہ دیا، ویسے کر دیا۔ کوئی حد ہی نہیں شکوے شکایات کی...... اس کے نتیجے میں دلوں میں نفرتیں بڑھتی ہیں، گھر اجڑ جاتے ہیں، کیا ہوگا اگر ہم...

درگزر کردیں...... اللہ کے لیے معاف کردیں...... ہم بھلا کس چیز پہ لڑتے ہیں؟ صرف دنیاوی دھن دولت، عزت، شہرت، کپڑا لتا، جو آج اللہ چاہے تو ہم سے چھین لے۔ آج چاہے تو ہمیں موت دے، دے اور سب یہیں رہ جائے۔''

سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا
جب لاد چلے گا بنجارا

عورتیں شرمساری سے پانی، پانی ہو رہی تھیں۔ یہ تو سب کے دلوں کی باتیں تھیں۔

''حدیث کا مفہوم ہے کہ اپنے بھائی سے جھگڑا مت کرو۔'' اور اسی حدیث میں آپ ﷺ نے دوسرا حکم یہ دیا کہ اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ دل لگی اور مذاق نہ کرو...... یعنی وہ مذاق جس سے اگلے کو تکلیف پہنچے...... آج ہم مذاق کے نام پر طنز، طعن و تشنیع سے اگلے کا دل چھلنی کردیتے ہیں۔ اس سے بھی دلوں میں نفرتیں پیدا ہوتی ہیں۔ ہم جو سوچتے ہیں ناں کہ اس کے سامنے ذرا یہ بات کروں گی، دیکھنا آگ لگ جائے گی اور اس آگ لگنے میں ہمارے دل میں ٹھنڈی پھوار پڑ جاتی ہے۔ ہم سوچتے ہی نہیں کہ اس وقت ہمیں لطف دینے والی بات آخرت میں ہمیں کتنا بڑا عذاب پہنچانے والی ہے۔''

دیا کو یکلخت وہ دن یاد آیا جب وہ اپنی شاپنگ دکھا کر ساس کو جلا رہی تھی اور مزہ لے رہی تھی...... پھر جب ساس نے دل کی بھڑاس نکالی اور اس کے خلاف برا گمان کیا تب اس کا دل کس بری طرح دکھا تھا۔ وہ اب شرمندگی میں غرق تھی۔

''پھر دوسری بڑی غلطی جو ہم کرتے ہیں وہ بدلہ لینے کی ہے۔ کوئی شخص ہمارے خلاف کوئی بات کردیتا ہے۔ مثلاً بہو نے کوئی ناگوار بات کردی، ساس کے دل میں ایسی آگ بھڑکی کہ اس نے بدلہ لینے کی ٹھانی۔ اب یا تو وہ خود کسی موقع پر کوئی ایسی بات کہہ دے گی کہ اس کے دل میں ٹھنڈ پڑ جائے گی یا بیٹے کو بہو کے خلاف اکسا دے گی۔ اب ساس کے دل کی آگ تو ٹھنڈی ہوگئی لیکن بتائیں کہ وہ پیمانہ کہاں سے لائی جس سے اس نے بہو کی جانب سے حاصل ہونے والی اذیت کو ناپا؟ کیا ممکن ہے؟ نہیں ناں پھر اگر ساس اسے تکلیف کا جواب لوٹانے میں ذرا زیادتی کرگئی جو کہ بدلہ لینے والا لازماً کر جاتا ہے تو پھر آخرت میں لازمی پکڑ ہوگی جیسا حساب خدا تعالیٰ کرسکتا ہے ویسا ہم نہیں کرسکتے، سو سیدھی بات ہے کہ بدلہ لینے کا بھی ہم حق نہیں رکھتے...... ٹھیک ہے بدلہ لینے کا شرعاً ہمیں حق ضرور حاصل ہے لیکن یہ حق (ہماری کم فہمی کے باعث) اس لحاظ سے اتنا خطرناک ہے کہ اس سے دستبردار ہونا بہتر ہے۔ سو اگر آپ نے معاف کردیا تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے وہ بے حد و حساب، بے اندازہ اجر و ثواب دے گا۔ اتنا کہ اگر آپ گمان کرسکیں تو یہ دعا کریں کہ یا اللہ ساری عمر مجھے کوئی سکھ ہی نہ دینا تاکہ میں اتنا اجر پاسکوں۔'' کسی عورت نے ہاتھ بلند کرکے مریم سے سوال کرنا چاہا تھا سب لوگ اس کی جانب متوجہ ہوگئے اور مریم کو بھی توقف کرنا پڑا۔

''اور میں نے کیا، کیا اپنی بہو کے ساتھ...... بدلہ لینے میں کتنا آگے بڑھ گئی کہ اس نے تو محض اپنی ماں کے آگے دل کی بھڑاس نکالی اور میں نے بیٹے کو ہی بدگمان کردیا۔'' یہ اس عورت کا اعترافِ جرم تھا جو آبدیدہ تھی۔ عاصمہ بیگم کا رنگ زرد پڑ چکا تھا۔ سلوئ بھی گہری سوچ میں گم تھی۔ سب عورتیں مریم کی جانب متوجہ تھیں جو اس عورت کے سوال کا جواب دے رہی تھی لیکن عاصمہ بیگم، دیا اور سلوئ اپنی ہی سوچوں میں ڈوبی تھیں۔

☆☆☆

مرتضیٰ نوٹ کررہے تھے کہ گھر کی جملہ خواتین جب سے درس اٹینڈ کرکے آئی تھیں بالکل خاموش تھیں۔ یہ خاموشی طوفان سے پہلے والی خاموشی ہرگز نہیں تھی بلکہ یہ تو ٹھنڈے پانیوں جیسی ٹھنڈی ہواؤں جیسی اور گرمیوں میں گھنے پیڑ کی چھاؤں جیسی خاموشی تھی جو مقابل کو خوفزدہ یا پریشان کرنے کے بجائے

پُرسکون کر رہی تھی۔ تینوں ضرورت کے تحت بات بھی کر رہی تھیں لیکن ایک بات تینوں میں مشترک نظر آ رہی تھی۔ نگاہوں میں نرمی، محبت، احترام، خلوص اور رواداری جو اَب تک نظر نہیں آئی تھی۔ مرتضٰی نے... بے اختیار مریم داؤد کو غائبانہ تشکر پیش کیا۔

☆☆☆

''روزے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا...... یعنی جو اجر و ثواب اللہ پاک عطا کرے گا ہمارے پیمانوں میں اس کا تصور بھی نہیں...... پھر صدقے کے بارے میں آتا ہے کہ اس کا اجر سات سو گنا ہے، ہمارے حساب سے نہیں، اللہ کے حساب سے تو حضور پاک ﷺ نے ایک روز صحابہ کرامؓ سے فرمایا، مفہوم ہے۔ ''کیا میں ایسی چیز نہ بتاؤں جو اس نماز سے بھی افضل ہے، اس روزے سے بھی افضل ہے، اس صدقہ کرنے سے بھی افضل ہے، جن کی فضیلتیں تم نے سن رکھی ہیں؟ صحابہ کرامؓ کے دل میں شوق پیدا ہوا تو انہوںؓ نے کہا یا رسولؐ اللہ وہ چیز ضرور بتائیں، آپؐ نے فرمایا۔ وہ چیز ہے، اصلاحِ ذات البین...... یعنی اگر دو مسلمانوں کے درمیان ناچاقی، اختلاف اور کٹاؤ ہو گیا ہے اور دونوں ایک دوسرے کی صورت دیکھنے کے روادار نہیں تو اب کوئی ایسا کام کرو کہ ان کا جھگڑا ختم ہو جائے اور دونوں کے دل آپس میں مل جائیں، دونوں آپس میں ایک ہو جائیں، تمہارا یہ عمل نماز سے بھی افضل ہے، روزے سے بھی افضل ہے اور صدقے سے بھی۔'' خواتین سُن تھیں گویا مسمیریزم کے تحت، کتنی عام فہم باتیں تھیں، جو آج تک کسی نے درس میں بیان نہیں کی تھیں۔ عموماً درس وغیرہ میں عبادات و فرائض وغیرہ کا بیان ہوتا ہے۔ یہ روزمرہ کے مسائل عام سے گھریلو جھگڑوں وغیرہ کا تو کسی نے کبھی دین سے تعلق بتایا ہی نہیں کہ لوگ سمجھ پائیں کہ کس طرح دین ہمیں روزمرہ کے حُسنِ سلوک کے بارے میں مثالوں سے بتاتا ہے۔

''خدارا اپنے دلوں کو صاف کر لیجیے، نفرتیں ختم کر دیجیے، یہ زندگی بہت چھوٹی ہے، مہلت بہت کم ہے اور میں آپ کو ایک بات بتاؤں، شاید کہ اسے سن کر آپ لوگ پکا تہیہ کر لیں کہ دلوں کو بغض اور کینہ سے پاک کر لیں گے۔ وہ بات یہ ہے کہ جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں تمام مسلمان ایک نہ ایک دن جنت میں ضرور داخل ہو جائیں گے تو اس بارے میں ارشادِ رب العزت ہوتا ہے جو شخص ایمان کی حالت میں رہا اور شرک نہیں کیا میں آج کے دن اس کی مغفرت کا اعلان کرتا ہوں یعنی یہ شخص ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا بلکہ کسی نہ کسی وقت جنت میں ضرور داخل ہو جائے گا لیکن جن دو اشخاص کے درمیان آپس میں کینہ اور بغض ہو ان کو روک لیا جائے کہ ان کے جنتی ہونے کا فیصلہ میں ابھی نہیں کرتا، یہاں تک کہ ان کے درمیان آپس میں صلح نہ ہو جائے۔ اندازہ کر لیجیے کہ اللہ اور اس کے رسول کو مسلمانوں کا آپس میں بغض رکھنا اور نفرت کرنا کتنا ناپسند ہے۔ حتیٰ کہ بغض رکھنے والے شخص کی شب برات میں بھی مغفرت نہیں ہوگی۔'' تمام عورتوں کے گویا رونگٹے کھڑے ہو گئے، محفل میں اس قدر خاموشی اور سکوت تھا گویا یہاں کوئی ذی روح موجود ہی نہیں ہے۔ مریم کا خوب صورت درس خوب صورت انداز میں جاری تھا۔

''ایک اور حدیث کا مفہوم ہے کہ جب اللہ تعالیٰ قیامت کے روز صبر کرنے والوں کو اپنی رحمتوں سے نوازے گا اور ان کو صبر کا صلہ عطا فرمائے گا تو جو لوگ دنیا میں آرام اور راحت سے رہے ہیں، وہ تمنا کریں گے کہ کاش دنیا میں ہماری کھالوں کو قینچیوں سے کاٹا گیا ہوتا اور اس پر ہم صبر کرتے اور ہمیں بھی اتنا ہی ثواب ملتا جتنا ان لوگوں کو مل رہا ہے۔''

زندگی، اے زندگی، ہم تجھے گزار رہے ہیں یا تو ہمیں گزار رہی ہے۔ یہ ہم کیا کر رہے ہیں، کیسی ڈھور ڈنگروں والی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ کیا ہم انسان کہلانے کے لائق ہیں؟ کیا ہمیں اتنے عیش و آرام سے

جینے کا ایک فیصد بھی حق ہے؟

☆☆☆

''بھابی جان، آپ نے میرے شوز نہیں دیکھے ناں...... میرے کمرے میں آئیں، میں آپ کے لائے گئے سوٹ کے ساتھ زبردست شوز لائی ہوں۔'' سلویٰ ہاتھ سے پکڑ کر دیا کو اپنے کمرے میں لائی اور محبت سے اپنے بیڈ پر بٹھایا پھر ایک ،ایک چیز نکال، نکال کر دکھائی۔ میچنگ جیولری، پرس، دیا نہال ہو رہی تھی۔

''سب کچھ بہت پیارا ہے سلویٰ بالکل تمہاری طرح......'' دیا نے حقیقتاً محبت سے کہا تو سلویٰ نے اسے لپٹا لیا۔

''اپنی بھابی سے کم......'' دیا نے محبت سے اس کا ماتھا چوم لیا۔ در و دیوار گنگنا اٹھے۔

☆☆☆

''دیا بیٹا کوئی درزی سوٹ نہیں لے رہا، آخری روزے ہیں، میری بچی مجھے پتا ہے تم سارا دن کام کاج میں مصروف رہتی ہو لیکن مجبوری ہوگئی ہے......''

''میں سی دوں گی امی، کیسی باتیں کر رہی ہیں، آپ میری ماں ہیں، کام کاج بھی میرے اپنے گھر کے ہیں۔ آپ سوٹ لائیں، میں ایک دن میں سی دوں گی۔'' دیا نے ساس کی بات کو بیچ میں ہی قطع کر کے محبت کا جواب محبت سے دیا تو عاصمہ بیگم نہال ہوگئیں۔ الماری سے کپڑے نکال کر اسے تھماتے ہوئے وہ قدرے شرمندہ سی تھیں۔

''تمہیں دکھا نہیں پائی تھی بیٹی......'' وہ پھر ہچکچا گئیں تو دیا نے انہیں شرمندگی سے نکالنے کے لیے فوراً بات بدلی۔

''ارے واہ امی، کتنا پیارا سوٹ ہے، میں ایسا کرتی ہوں اسے شرنک کرنے کے لیے بھگوتی ہوں، اتنے میں اس کے ساتھ کا دھاگا لے آؤں یہ سامنے تو دکان ہے۔'' کہتی وہ پھرتی سے مڑ کر کمرے میں گھس گئی۔ عاصمہ بیگم کی آنکھیں نم ہوگئیں۔ محبتیں کرنا اور بانٹنا اتنا مشکل بھی نہیں پھر ہم کیوں اس آسان کام سے کتراتے رہتے ہیں؟

☆☆☆

''سورۂ حجرات میں آتا ہے کہ بدگمانی سے پرہیز کرو، کسی شخص کے بارے میں جب تک پوری تحقیق نہ ہو جائے اس وقت تک بدگمانی نہ کرو اور کسی کے بارے میں یقین کے ساتھ کسی برائی کا اعتقاد نہ رکھو جب تک کہ تحقیق سے ثابت نہ ہو جائے۔ ایک دوسرے کا تجسس نہ کرو، کسی کی ٹوہ میں نہ لگو، اس کے حالات کی خفیہ طریقے پر معلومات کرنے کی فکر میں نہ لگو، جس کو عام طور پر تجسس کہا جاتا ہے۔ ٹوہ لگانا بھی کہتے ہیں...... یعنی اس بات کی کوشش کرنا کہ اس کے خفیہ راز معلوم ہو جائیں یا ایسی بات جو وہ چھپانا چاہتا ہے دوسرا آدمی اسے خفیہ طریقے سے معلوم کرنے کی کوشش کرے اس کی قطعی ممانعت فرمائی گئی ہے کہ اس طرح کا تجسس مت کرو۔ کیا آپ جانتی ہیں کہ قرآن پاک نے اس طرح کے تجسس کو حرام کہا ہے جس کے تحت ہم چوری چھپے کسی کی باتیں سنتے ہیں یا دیکھتے ہیں کہ وہ تنہائی میں کیا کر رہا ہے؟''

سلویٰ اور دیا...... گویا کاٹو تو بدن میں لہو نہیں...... دونوں کی کیفیت ایسی تھی کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائیں۔ مریم مزید کہہ رہی تھی۔

''مثلاً کوئی فون پر بات کر رہا ہے اور آپ تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس کی باتیں سنیں، یہ تجسس حرام ہے، ناجائز ہے اس لیے کہ آپ دوسرے کی باتیں اس کی اجازت کے بغیر سن رہے ہیں، صرف شراب پینا ہی حرام نہیں...... افسوس کہ ہمارا مسئلہ ہی لاعلمی ہے میری پیاری دینی بہنو......'' سلویٰ کا چہرہ شرمندگی سے سرخ ہو گیا اور سر جھکے، جھکے سینے سے جا لگا۔

☆☆☆

عاصمہ بیگم اور سلویٰ نے کمرے میں مرتضیٰ کے ساتھ ایک خفیہ میٹنگ کی۔ جس کے نتیجے میں اب مرتضیٰ ان دونوں کو گاڑی میں کہیں لے کے جا رہے تھے۔ کل چاند رات تھی، جانے افطاری کے بعد ان لوگوں کو کون سا کام یاد آ گیا تھا۔ دیا کو جانے کے لیے نہیں کہا گیا۔

وہ لوگ نکل گئے تو دیا برتن دھونے کچن میں آ گئی۔ دل پھر سے بوجھل سا ہو گیا تھا۔

''کچھ بھی کر لو سسرالی ہمیشہ سسرالی ہی رہتے ہیں، چار دن درس کا اثر رہا اور آج پھر...... بیٹی کو لے گئیں بہو کو چھوڑ دیا۔'' شیطان نے بہکایا...... ورغلایا...... اکسایا...... دیا نے بے دلی سے برتن پٹخ پٹخ کر دھونے شروع کر دیے۔

''بدگمانی، بِنا تصدیق، اونہوں......'' ضمیر ملبے تلے سے ابھر آیا تھا۔ فوراً ٹوکا...... مریم کی باتیں یاد دلائیں، پھر وہ دانستہ تمام درس کے پوائنٹس ذہن میں دہرانے لگی۔ ذہن بٹ گیا، دل بہل گیا، شیطان منہ چھپا کے بھاگ گیا۔

☆☆☆

''سب سے آخری اور سب سے اہم ترین خرابی جو بدقسمتی سے ہم عورتوں میں کُوٹ، کُوٹ کے بھری ہے اور جس کے بِنا ہمیں لگتا ہے ہماری زندگی ادھوری ہے۔ ہمارے آخری روزے کا آخری موضوع غیبت''...... تمام عورتیں مسکرا اٹھیں۔

''آج تو پکی والی شامت ہے۔'' ایک عورت بلند آواز میں بولی تو مریم مسکرا دی۔ باقی عورتیں بھی دبی، دبی ہنسی ہنسنے لگیں۔

''غیبت کیا ہے؟ ہم سب جانتے ہیں...... اپنے مسلمان بھائی کا ذکر اس کی پیٹھ پیچھے ایسے انداز میں کرنا کہ اگر اسے پتا چلے تو اسے ناگوار گزرے...... خواہ وہ بات آپ اس شخص کے منہ پر کہنے کی ہمت بھی رکھتے ہوں، پھر بھی وہ بات غیبت کے زمرے سے خارج نہیں ہو جاتی۔ غیبت یہی ہے کہ وہ برائی اس شخص کے اندر موجود ہو جو آپ بیان کر رہے ہیں...... اور اگر وہ بات اس کے اندر موجود ہی نہیں تو یاد رکھیے وہ غیبت نہیں بلکہ بہتان میں شمار کی جاتی ہے...... اور بہتان کا گناہ غیبت سے بھی دُگنا ہے۔'' تمام عورتیں مُہر بہ لب تھیں۔ باقی برائیاں چاہے سب میں موجود نہیں ہوں لیکن غیبت کی عادت ننانوے فیصد عورتوں میں ہوتی ہے۔

''ذرا غور فرمائیں ایک حدیث کا مفہوم بتانے جا رہی ہوں، زندگی بھر کے لیے پلو سے باندھ لیجیے......

رسول پاک ﷺ نے فرمایا غیبت زنا سے بھی زیادہ سنگین گناہ ہے۔'' عورتوں کی سسکاریاں نکل گئیں۔ مریم چند لمحے کے لیے خاموش ہو گئی۔ ہر عورت خاموش تھی۔

''غیبت کا تعلق زنا سے کیسے ہے مریم؟'' دیا سے رہا نہ گیا تو سوال کر بیٹھی۔ اس کے سوال پر سب عورتیں چونک گئیں اور مریم نرمی سے مسکرائی۔

''میں اسی سوال کے انتظار میں تھی۔ دیکھیے زنا کا تعلق انسان کی اپنی ذات سے ہے جبکہ غیبت کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔ غیبت کر کے آپ کسی انسان کی عزت و آبرو پر حملہ کرتے ہیں اور حدیث شریف کے مفہوم کے مطابق مسلمان کی جان، مال اور اس کی آبرو کی حرمت بیت اللہ کی حرمت سے بھی بڑھ کے ہے۔ سوچیں ہم روزانہ کتنے کعبہ ڈھا دیتے ہیں۔ حقوق اللہ تو اللہ پاک انسان کی توبہ سے معاف فرما دیتے ہیں لیکن حقوق العباد کی معافی تب تک نہیں مل سکتی جب تک وہ بندہ خود معاف نہ کر دے۔'' اور آج اس موضوع کے بعد عورتوں کے سوالات کی ایسی بوچھاڑ ہوئی کہ ایک گھنٹے کا درس دو گھنٹے پر محیط ہو گیا اور پھر بھی عورتیں مریم کو چھوڑنے پر آمادہ نہ تھیں۔ سب کا اصرار تھا کہ مریم درس کا سلسلہ جاری رکھے۔ اس قدر شور پہ مریم نے ہاتھ اٹھا کر سب کو خاموش کرایا پھر بولی۔

''یہ اللہ پاک کا کرم ہے کہ اس نے مجھ جیسی گناہ گار کو آپ سب کی اتنی محبتیں عطا کیں۔ میرے لیے درس دینے کسی اور جگہ جانا ممکن نہیں ہو گا اس لیے میں نے اپنے گھر پر ہی اہتمام کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ہر پیر کی صبح دس بجے سے بارہ بجے کے اوقات میں نے مقرر کیے ہیں۔ آپ سب کی آمد میرے لیے خوشی کا باعث ہو گی۔ اس محفل کا اختتام میں ان خوب صورت اشعار پر کرنا چاہوں گی۔

اے شخص بدی کا بیج نہ بو اس آگ سے اپنی جان بچا
ہو تجھ سے جہاں تک نیکی کر نیکی ہی نفع پہنچائے گی

اللہ کا وعدہ سچا ہے برباد نہ ہوگا نیک عمل
اِک جَو کے برابر نیکی بھی جنت میں تجھے لے جائے گی

☆☆☆

چاندرات کو تو جیسے خوشیوں کی بارات اتر آئی۔ دیا کی امی نفیسہ بیگم دیا کی عیدی لائی تھیں۔ وہ چونکہ تمام حالات و واقعات سے باخبر رہی تھیں اس لیے اس بار عیدی کے لوازمات بے حد اسپیشل تھے۔ محبتوں کی تجدید، خلوص کا برتاؤ، نئے سرے سے جیسے تعلق مضبوط ہونے جا رہا تھا۔ نفیسہ بیگم نے ان محبتوں میں اپنا حصہ ڈالنا ضروری سمجھا تھا۔ عیدی صرف دیا کی نہیں تھی۔ عاصمہ بیگم اور سلوٰی کی بھی تھی۔ بلکہ مرتضٰی کی بھی...... چاروں کے سوٹ، خواتین کے لیے چوڑیاں بھی، مہندی، مٹھائی، سویّاں، میوہ، کیک، پھول، کارڈز، دیا کی خوشیوں کا ٹھکانا ہی نہیں تھا۔ سب نہال تھے، پور پور خوشیوں اور محبتوں میں ڈوبے، مرتضٰی کونے والے صوفے پر بیٹھے سب کے خوشیوں سے چمکتے چہرے دیکھ کر بے انتہا خوش ہو رہے تھے۔ نفیسہ بیگم نے ان سب کو عید کے دن ڈنر پر اپنے گھر انوائٹ کیا تو عاصمہ بیگم نے سختی سے انکار کر کے الٹا انہیں ڈنر پر انوائیٹ کر لیا۔ دیا اور سلوٰی جی بھر کے ہنسیں۔

☆☆☆

خوب صورت بلیک سوٹ پہنے، نکھری نکھری مہندی سے سجی ہتھیلیاں اور خوب صورت میک اپ سے سجا چہرہ لیے دیا ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی۔ اسی وقت مرتضٰی عید کی نماز پڑھ کے کمرے میں آئے۔ دونوں نے ایک دوسرے کو محبت سے دیکھا۔ عید ملے، مبارک باد دی اور پھر دیا کو اپنی زندگی کا سب سے خوب صورت سرپرائز ملا۔ مرتضٰی کے ہاتھ میں دبے اپنے ہاتھ پہ اسے سرسراہٹ سی محسوس ہوئی۔ اس نے نظریں جھکا کے دیکھا تو دنگ رہ گئی۔ بے حد نفیس اور نازک سی گولڈ کی رِنگ تھی جو مرتضٰی نے اس کی انگلی میں پہنا دی تھی۔ وہ تحیر سے دیکھنے لگی۔

''یہ......!''

''تمہاری عیدی...... خوب صورت سے رمضان کے بعد تمہاری ریاضتوں کا خوب صورت سا انعام......'' مرتضٰی مسکرائے۔

''اب ذرا باہر چلیں......'' وہ اسی حیرت میں گھری باہر نکلی...... امی اور سلوٰی لاؤنج میں کھڑی تھیں۔ عید کے کپڑوں میں سجی بنی مکمل تیار...... وہ بھاگ کے دونوں سے عید ملی۔

''اپنی عیدی نہیں لو گی؟'' عاصمہ بیگم نے اس کا ماتھا چومتے ہوئے کہا تو وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

''کیوں نہیں، ضرور لوں گی۔'' انہوں نے ایک خوب صورت جڑاؤ انگوٹھی نکالی۔ دیا پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

''اُف اللہ امی جی، یہ کیا گولڈ کی برسات ہو رہی ہے۔''

''یہ ہماری خاندانی انگوٹھی ہے۔ بہو رانی، میری پہلی عید پر میری ساس نے مجھے پہنائی تھی۔'' عاصمہ بیگم نے فخر سے کہا تو دیا نے منہ بنایا۔

''اچھا اور آپ مجھے تیسری عید پر پہنا رہی ہیں۔'' سب لوگ کھلکھلا کر ہنس دیے۔

''اچھا تو آپ لوگ اس دن اس مہم پر نکلے تھے جو مجھ سے اتنی رازداری برتی۔'' اس نے مصنوعی خفگی دکھائی تو عاصمہ بیگم مسکرائیں۔

''ہاں مرتضٰی نے رِنگ خریدنی تھی اور میں نے پالش کروانی تھی۔''

''پر بھابی جی...... میں اتنی مالدار بالکل بھی نہیں ہوں۔'' سلوٰی نے برا سا منہ بنایا تو دیا نے ہنس کر اسے گلے سے لگا لیا۔

''اور میری پیاری بہنا، تمہیں تو میں عیدی دوں گی ناں......'' کہہ کر دیا نے اپنے پرس میں سے کڑکتا ہوا پانچ ہزار کا نوٹ نکالا اور سلوٰی کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ سلوٰی نے نعرہ مارا۔

''تھری چیئرز فار بھابی ہپ ہپ ہرّے۔''

عید کا دن کھلکھلا رہا تھا۔

☆☆☆